بیت المقدس اور فلسطین

حقائق وسازشوں کے آئینہ میں

عنایت اللہ وانی ندوی

ناشر
المن بسری بأی الحسن علی ندوی لینٹیٹ ی ٹ
احمد آباد (کٹولی) ملیح آباد، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلات کتاب

نام کتاب: **بیت المقدس اور فلسطین**: حقائق وسازشوں کے آئینہ میں

BAYT-UL-MAQDIS AUR PHELASTEEN (PALESTINE)

Heqaiq-0-sazishoon ke aaine mein

مؤلف: عنایت اللہ وانی ندوی

ISBN: 978-93-5265-693-6

رابطہ: +91-9858003848 / enayatwani@gmail.com

سنِ اشاعت: مئی ۲۰۱۶ / شعبان ۱۴۳۷

تعداد: 1100

قیمت: 80/روپے

طابع: جی ایل انٹرنیشنل پبلشر نئی دہلی

G.L International Publishers New Delhi 110025

ناشری النب سید أبالحسن علی ندوی انسٹیٹیٹ

احمد آباد (کٹولی) ملیح آباد، لکھنؤ

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى
الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ
السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [سورۃالإسراء: 1]

ترجمہ: ”بڑی مقدس ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے ارد گرد (کے ماحول) کو ہم نے برکتوں سے معمور کر رکھا ہے، مقصد یہ تھا کہ ان کو ہم اپنی نشانیاں دکھا دیں، بے شک اللہ خوب سننے اور خوب دیکھنے والا ہے“۔

فہرست مضامین

عناوین	صفحہ
مقدمہ از: مولانا سید سلمان حسینی ندوی —دامت برکاتہم	10
تمہید	12
باب اول: جغرافیائی صورتحال	15
فلسطین کا جغرافیہ	16
جائے وقوع، حدود اربعہ اور رقبہ	16
فلسطین کے مختلف نام اور وجہ تسمیہ	17
آب وہوا اور مختلف خصوصیات کے حامل علاقے	20
فلسطین کے پڑوسی ممالک کا رقبہ	21
فلسطین کے اہم اور معروف شہر؛ مختصر تعارف	22
مسجد اقصی؛ تعارف اور جغرافیائی حدود	26
باب دوم: دینی ومذہبی حقائق	35
فلسطین، القدس اور مسجد اقصی کی اسلامی حیثیت	36
مسجد اقصی کے بارے میں آیات واحادیث	36
اسلام میں فلسطین کا مقام	43
فلسطین اور بیت المقدس کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ	52

یہود و نصاری کے نزدیک القدس کا مقام	52
فلسطین کے بارے میں یہود کے دعوؤں کی حقیقت	53
فلسطین پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ دلائل کی روشنی میں	55
فلسطین میں حکومت کرنے والی مختلف قوموں کے دور اقتدار کا خاکہ	57
باب سوم: فلسطین: تاریخی و سیاسی مراحل	58
فلسطین؛ ماقبلِ اسلام	59
فلسطین دنیا کا قدیم ترین متمدن علاقہ	59
کنعانی اور یبوسی قومیں فلسطین میں	59
حضرت ابراہیمؑ فلسطین میں	60
فلسطین؛ حضرت داؤدؑ کے عہد میں	61
یہوذا اور اسرائیل کی مملکت کا زوال	61
بابلی (عراقی) دورِ حکومت	62
فارسی دور حکومت	62
یونانی دور حکومت	63
رومی دور حکومت	64
یہودی بغاوت	64
رومی بادشاہ ہادریان کا حملہ	64
فلسطین: عہد اسلامی کے آغاز سے صلیبیوں کے حملے تک	66
فلسطین کی اسلامی فتح	66

اجنادین کا معرکہ	66
یرموک کا معرکہ	67
حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کی جانب سفر	67
بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کے داخلے کی کیفیات	68
معاہدۂ عمریہ کا متن	70
عہد اموی اور عہد عباسی	71
طولونی اور قرامطہ عہد حکومت	72
فلسطین: صلیبی دور سے عہد عثمانی کے اخیر تک	74
فلسطین پر صلیبیوں کا حملہ	74
فلسطین؛ عہد ایوبی میں	76
صلاح الدین ایوبیؒ کی سیرت کا مختصر خاکہ	77
صلیبی جنگوں کے اسباب و مقاصد اور نتائج	78
فلسطین؛ ممالیک کے دور اقتدار میں	80
فلسطین؛ عہد عثمانی میں	80
سلطان عبد الحمید ثانیؒ کی حکومت	80
انجمن اتحاد و ترقی کا قیام اور سلطان عبد الحمید ثانیؒ کی معزولی	81
خلافت عثمانیہ کا خاتمہ اور مسئلۂ فلسطین	82
صہیونی تحریک	83
یہودیوں کے دو مختلف الخیال طبقے	83
صہیونی تحریک کی بنیاد کے اسباب	83

صہیونی تحریک کا تعارف	85
صہیونی ریاست کے قیام کے اثرات ونتائج	85
تھیوڈر ہرزل اور صہیونی تحریک	87
فلسطین: برطانوی انتداب کے دور میں	89
عربوں کے خلاف.برطانوی سازش	89
سائکس پیکو معاہدہ	89
یہودیوں کی ہجرت	90
سامراج کے خلاف تحریک مزاحمت	91
فلسطین کی تقسیم	92
صہیونی ریاست 'اسرائیل' کا قیام	93
برطانوی خارجہ سیکریٹری آرتھر جیمز بالفور کے خط کا ترجمہ	94
فلسطین کی آزادی میں عربی کردار	94
فلسطین: 1948 کی جنگ کے بعد	95
تحریک آزادی فلسطین کی بنیاد	95
جون 1967 کی جنگ	96
1967 کی جنگ کے بعد اسرائیلی سیاست	96
مہاجر فلسطینیوں کا مسئلہ	97
فلسطینیوں کی وطن واپسی کا حق مقدس اور قانونی کیوں؟	99
مسلح مزاحمت	101
فلسطین کی تحریک آزادی میں غیر مخلص عرب قیادت	102

کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کے سلبی اثرات	104
فلسطینی انتفاضہ اور حل کے مختلف منصوبے	105
پہلی تحریک انتفاضہ	105
مذاکرات کا دور، حل کے منصوبے	106
اوسلو معاہدہ اور اس کی مخالفت	109
دوسری تحریک انتفاضہ	112
تحریک آزادئ فلسطین میں ’حماس‘ کا کردار	115
فلسطین کے عیسائیوں کا کردار	118
باب چہارم: بیت المقدس چیلنجز، موجودہ صورتحال اور تقاضے	120
بیت المقدس، موجودہ صورتحال	121
القدس کو یہودیانے کی مختلف شکلیں	123
مسجد اقصی کو درپیش چیلنجز اور خطرات	126
مسجد اقصی کی شہادت اور تعمیرِ ہیکل کے لئے کوشاں یہودی تنظیمیں	129
مسجد اقصی میں آتشزنی کا واقعہ	130
مسجد اقصی کے بارے میں اسلامی اور صہیونی کوششیں	131
منصف مزاج غیر مسلم دانشوروں کا موقف	132
ارض فلسطین کے متعلق ایک مسلمان کے فرائض اور ذمہ داریاں	137
مسجد اقصی اور اہلِ فلسطین کی مدد کیسے کریں؟	137

باب پنجم : مسئلۂ فلسطین کا مستقبل پیشن گوئیوں کے تناظر میں	**142**
قرآن وسنت کی پیشن گوئیاں	**143**
اسلام ہی واحد حل	**147**
مسئلۂ فلسطین کے اسلامی حل کے بنیادی نکات	**148**
مسلمان یہودی دین کے دشمن نہیں	**149**
عالمی طاقتوں کا جانبدارانہ کردار	**150**
امت کو مسئلۂ فلسطین سے جوڑنے کی ضرورت	**151**
یہودیوں کی قوت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی غلطی	**152**
مسجد اقصی کے بارے میں علمائے امت کی پکار	**154**
آخری بات	**157**
مراجع ومصادر	**160**

مقدمہ

مولانا سید سلمان حسینی ندوی-دامت برکاتہم

جنگ عظیم اول (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء) نے عالم اسلام کے مرکز ترکی کو اس بُری طرح تہ و بالا کیا کہ اس کی وسیع و عریض مملکت کے حصے بخرے ہوتے چلے گئے۔ سرزمین شام و عراق و حجاز اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ فلسطین میں ہرزل اور برطانیہ کی سازش کا راستہ ہموار ہوگیااور پھر جس خطہ کی ایک انچ زمین بھی دینے کے لئے سلطان ترکی تیار نہ تھا، اس کے چپہ چپہ پر دوسری جنگ عظیم کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے صہیونیت نے قبضہ کرلیا، سولہویں صدی عیسوی ہی سے مسلمانوں کی جو ہوا اکھڑی تھی اس کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہی چلا گیا، بہرحال قضیۂ فلسطین ایک ناسور بن گیا، جسم کا کون سا حصہ تھا جو زخمی نہ تھا، لیکن مسجد اقصی کی عظیم نسبت نے اس زخم کو سب سے زیادہ نمایاں کردیا۔

مسئلہ فلسطین پر جتنا لکھا گیا، بولا گیا، کہا گیا، اس کو یکجا کیا جائے تو ایک لائبریری ہی نہیں کئی لائبریریاں تیار ہوجائیں، اور یہ سلسلہ جاری رہے گا جب تک عالم اسلام کو نیا صلاح الدین نہ مل جائے۔

جب تک دنیا کے مسائل ”لیگ آف نیشنز“ کے ذریعہ ”حل“ ہوتے رہے، اور جب تک ”یونائیٹیڈ نیشنز“ کے ذریعہ طے ہوتے رہیں گے، کاغذ کا پیٹ بھرتا رہے گا، اور آڈیوز اور ویڈیوز تیار ہوتی رہیں گی، مسئلہ نہ صرف یہ کہ حل نہیں ہوگا بلکہ لاشوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی، جیلوں کی وسعت تنگ ہوتی جائے گی، زخم پر زخم ہی لگتے رہیں گے۔

برادر عزیز مولوی عنایت اللہ کشمیری ندوی ایک دلِ دردمند رکھنے والے صاحبِ فکر وعزم نوجوان ہیں، انہوں نے ”بیت المقدس اور فلسطین: حقائق اور سازشوں کے آئینہ میں“ کے عنوان سے کتاب لکھ کر تمام مسلمانوں کو آئینہ دکھایا ہے، اور حقائق کا محققانہ اور مؤرخانہ ژرف نگاہی کے ساتھ جائزہ لیا ہے، ان کی کوشش قابل قدر اور لائق شکر ہے، کاش کہ حقائق کے آئینہ میں کسی نئے صلاح الدین کی تصویر بھی دیکھ لی جائے اور زخموں کے مندمل ہونے کا بھی کوئی سامان ہو جائے۔ (آمین)

سلمان حسینی ندوی
۳۰،اپریل ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

بیت المقدس اور فلسطین کا مسئلہ خالص اسلامی مسئلہ ہے، جس شخص کے دل میں امت کا درد ہے اور امت مسلمہ کے مسائل کے بارے میں جو بھی فکر مند ہے اس کے لئے مسئلۂ فلسطین سے واقف ہونا اور اس کے بارے میں متفکر ہونا نہایت ضروری ہے، اس لئے کہ بیت المقدس اور فلسطین کا مسلمانوں کے ساتھ ویسا ہی ربط و تعلق ہے جیسا جسمِ انسانی کے ساتھ قلب ودماغ کا تعلق ہے، القدس مسلمانوں کے لئے دین و وطن بھی ہے اور تاریخ وثقافت بھی، وہ ہمارا ماضی اور حال بھی ہے اور ہمارا مستقبل بھی، فلسطین کی سرزمین کے لئے ہر مسلمان کے دل میں ایک عظیم مقام ہے، وہ قرآن کریم کے واضح نصوص کی بنیاد پر مقدس اور مبارک سرزمین ہے، اسی میں مسجد اقصیٰ ہے جو مسلمانوں کا قبلۂ اولیٰ، روئے زمین پر بنائی جانے والی دوسری مسجد اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے تیسری مسجد ہے، وہ اسراء و معراج اور انبیاء کی سرزمین ہے، وہ محشر (حساب وکتاب) اور منشر (دوبارہ اٹھائے جانے) کی سرزمین ہے، احتساب کی نیت سے وہاں رہنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے، وہی سرزمین اس گروہ کا مرکز ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی ہے کہ وہ غالب رہے گا اور قیامت تک حق پر قائم رہے گا۔

فلسطین یورپ، ایشیا اور افریقہ کے لئے نقطۂ اتصال اور گزرگاہ ہے، عالمی طاقتوں کے لئے مرکزی مقام کی حیثیت رکھتا ہے جہاں سے پوری دنیا پر کنٹرول کرنا ممکن اور آسان ہے، اسی لئے صہیونیوں نے دینی، اقتصادی، عسکری اور سیاسی اسباب وعوامل کی وجہ سے سرزمین فلسطین کا انتخاب کرکے اس پر غاصبانہ قبضہ کیا، وہاں کے اصل باشندوں کو جلاوطن کردیا، بیت المقدس کے تقدس کو پامال کیا اور وہاں موجود ہر اسلامی علامت و تشخص کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے جن بے بنیاد دلائل کا سہارا لیا گیا ان میں سے اہم ترین دعوی یہ کیا گیا کہ فلسطین

یہودیوں کا تاریخی حق ہے اور مسلمانوں کا بیت المقدس اور فلسطین میں کوئی حق نہیں ہے! حالانکہ ان دعوؤں کی عقل وانصاف کی عدالت میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

لیکن مسلمانوں کی اکثریت بیت المقدس اور فلسطین سے اپنے ربط و تعلق سے اور فلسطین کی اصل تاریخ سے ناواقف ہے جس کی وجہ سے وہ فلسطین کو ایک قومی مسئلہ قرار دیتے ہیں اور یہودیوں کے پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر اہلِ فلسطین کو بے یار ومددگار چھوڑے ہوئے ہیں اور نتیجتاً اسرائیل کے غاصبانہ قبضہ اور ظلم وسفاکیت کو جائز ومستحکم کر رہے ہیں۔ اصل حقائق کیا ہیں؟ ایک مسلمان کے نزدیک بیت المقدس اور ارض فلسطین کا کیا مقام ہے؟ تاریخی اعتبار سے اصل حقدار کون ہے؟ فلسطین کی دینی، تاریخی اور سیاسی حیثیت کیا ہے؟ مستقبل کا منظر نامہ کیا ہے؟ ان تمام امور کو زیرِ نظر کتابچہ میں نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاکہ ایک مسلمان اس مسئلہ سے واقف بھی ہو اور علی وجہ البصیرۃ بقدر استطاعت ذمہ داری بھی ادا کرتا رہے، کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

پہلے باب میں فلسطین کی جغرافیائی صورتحال کا جائزہ لیا گیا ہے، جائے وقوع، حدود، آب وہوا، اہم شہروں کے تعارف کے ساتھ ساتھ مسجد اقصی کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے.

دوسرے باب میں دینی ومذہبی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اسلام میں فلسطین کا کیا مقام ہے؟ مختلف دلائل کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے کہ فلسطین ہر اعتبار سے اسلامی سرزمین ہے اور بیت المقدس پر صرف اور صرف مسلمانوں کا حق ہے اور یہود کے تمام دعوے بے بنیاد ہیں۔

تیسرے باب میں فلسطین کے تاریخی وسیاسی مراحل کو ترتیب وار بیان کیا گیا ہے، ہر دور میں فلسطین کی صورتحال کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور فلسطین کی تقسیم اور عالم عربی کے قلب میں صہیونی ریاست 'اسرائیل' کے قیام کے لئے عالمی طاقتوں نے کیا کھیل کھیلا اور مزاحمت کی تحریک کیسے شروع ہوئی، سب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چوتھے باب میں بیت المقدس کی موجودہ صورتحال کو بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح یہودی ارض مقدسہ کے تقدس کو پامال کر رہے ہیں، وہاں کے اصل باشندوں پر ظلم وجور کے پہاڑ توڑ رہے

ہیں، اور بیت المقدس کی اسلامی شناخت اور تشخص کو مٹا کر کس طرح یہودی رنگ میں رنگنے کا عمل نہایت سرعت کے ساتھ خفیہ واعلانیہ جاری ہے، اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ ایک مسلمان پر بحیثیت فرد وجماعت کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اہلِ فلسطین کی نصرت ومدد کے کیا کیا طریقے ہو سکتے ہیں۔

پانچویں باب میں مسئلۂ فلسطین کے مستقبل کو قرآن وسنت کے نصوص اور تاریخی دلائل کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اسلام ہی اس مسئلہ کا واحد حل ہے اور ایک نہ ایک دن غاصب اسرائیل کا زوال یقینی ہے، اُس وقت مسلمان فاتحانہ بیت المقدس میں داخل ہو کر اللہ کی کبریائی بیان کریں گے۔

کتابچے کی تیاری میں جن احباب نے جو بھی تعاون کیا ہے، خاص طور پر برادرم مجیب الرحمٰن عتیق ندوی صاحب، محترم الطاف حسین ندوی صاحب اور محترم محمد تبریز صاحب (لکھنؤ) نے کتاب کو قابلِ اشاعت بنانے میں جو تعاون کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، استاد گرامی قدر حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی (دامت برکاتہم) کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے نہایت مصروفیات کے باوجود وقیع مقدمہ لکھ کر کتاب کی قیمت کو دوچند کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ مولانا محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے اور میری اس معمولی سی کاوش کو شرف قبولیت عطا فرما کر مجھے بھی قبلۂ اولی، سرزمین انبیاء اور ارض اسراء ومعراج کی برکتوں کے بحر بے کراں کا کوئی قطرہ نصیب فرمائے اور بیت المقدس اور سرزمین فلسطین کا دفاع کرنے والوں کی صف میں شامل فرمائے، آمین۔

عنایت اللہ وانی ندوی

ڈوڈہ، جموں وکشمیر

باب اول

جغرافیائی صورت حال

فلسطین اپنے مرکزی اور اسٹریٹیجک جائے وقوع کی وجہ سے ایک اہم مقام رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ تین براعظموں: ایشیا، افریقہ اور یورپ کے درمیان اور عالمِ اسلامی کے دونوں حصوں کے درمیان پل کا کام کرتا ہے، اس اعتبار سے وہ قدیم زمانے سے ہی مختلف قوموں کے لئے گزرگاہ کے طور پر بھی معروف رہا ہے۔

قدیم زمانے میں ”فلسطین“ ایک اہم تجارتی گزرگاہ کے طور پر مشہور تھا، جو وادی نیل، جنوبی جزیرۃ العرب، شمالی شام، اور عراق کے مختلف ثقافتوں کے حامل باشندوں کے درمیان پل کا کام کرتا تھا۔ فلسطین ما قبل اسلام اور اسلام کے بعد تجارتی قافلوں کا مرکز اور گزرگاہ رہا ہے، عرب تجارتی قافلے سردی اور گرمی کے تجارتی اسفار کے دوران جزیرۃ العرب سے آکر وہاں سے گزرتے تھے جس کا ذکر قرآنِ کریم میں موجود ہے۔

رقبہ : فلسطین کا کل رقبہ تقریباً 27009 مربع کلومیٹر ہے جبکہ ساحلی علاقہ 407 مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔

فلسطین کا نام

بہت سی قوموں نے سرزمینِ فلسطین کو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے، ان میں سے اہم ترین نام مندرجہ ذیل ہیں:

- **ارضِ کنعان** (Kana’an): اس نام کے ابتدائی اشارات ”عمارنہ“ پہاڑی کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران ملے ہیں جن کا زمانہ پندرہ صدی قبل مسیحی کا ہے،

کنعانی قوم فلسطین میں بسنے والی قدیم ترین قوم سمجھی جاتی ہے کیونکہ وہ جزیرۃ العرب سے تقریباً 4500 سال پہلے آئے ہیں۔

اسی نام کے ساتھ تورات میں اس کا ذکر آیا ہے اور ”کنعان بن حام بن نوح“ کی جانب نسبت کرتے ہوئے اس کو یہ نام دیا گیا ہے، یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فلسطین پر چڑھائی کرنے کے بعد یہود اس سرزمین کو اپنی زبان میں ’ارضِ اسرائیل‘ کے نام سے یاد کرتے تھے۔

- **بلستین:** عربوں نے اس نام کو عربی میں استعمال کر کے فلسطین (Palestine) کر دیا، یہ اس قوم کے نام سے ماخوذ ہے جو فلسطین کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں آباد تھی۔

بعض مؤرخین کا خیال یہ ہے کہ ”بلستین“ کا نام اس قوم کی جانب منسوب ہے جو بحر ابیض متوسط میں موجود جزیرے ”کریت“ سے قحط سالی کی وجہ سے آئی تھی، جن کو مصریوں نے سمندر سے آنے کی وجہ سے سمندری قوم کا نام دیا۔

فلسطین کی وجہ تسمیہ:

فلسطین کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف آراء ہیں:

- یہ لفظ دو کلمات کا مجموعہ ہے: ”فلس“ جس کے معنی چھلکے کے ہیں اور ”طین“ جس کے معنی مٹی کے ہیں؛ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ اس علاقے کے لوگوں کا پیشہ زراعت تھا۔

- بعض کا کہنا یہ ہے کہ لفظِ فلسطین "فلشت" یا "فلست" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں: کسان یا زمین کو پھاڑنے والا۔
- یہ "فلستیا" قبیلے کی جانب نسبت ہے جس نے قحط سالی کی وجہ سے جزیرۃ العرب سے ہجرت کی اور شام کے جنوبی حصّے "فلسطین" میں سکونت اختیار کی۔ اگر چہ بعض کا کہنا یہ ہے کہ یہ نام فلستیا قبیلے ہی کی وجہ سے پڑا جس نے جزیرۃ العرب سے "کریت" جزیرے کی جانب ہجرت کی اور فلسطین کے جنوب میں قیام کیا۔
- انگریزی ڈکشنریوں میں لفظ فلست Philist سخت مزاج شخص کے لئے استعمال ہوا ہے، یہ مفہوم قرآن پاک میں وارد اس آیت کے ساتھ ملتا جلتا ہے: }إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ{ [المائدة: 22] "بلاشبہ اس میں ایک سخت قوم ہے"۔

ڈاکٹر طارق سویدان اپنی کتاب "التاريخ المصوّر" میں رقمطراز ہیں:

تاریخی اور مقدس کتابوں میں "بلست" نام کی صراحت موجود ہے، اسی بنیاد پر اس علاقے کے باشندوں کو اس کی جانب منسوب کرتے ہوئے "بلستيني" کہا گیا، پہلے یہ نام اسی طرح معروف تھا، مرورِ زمانہ کے ساتھ "فلسطین" میں تبدیل ہو گیا.

آب وہوااور مختلف خصوصیات کے حامل علاقے

آب و ہوا:

فلسطین کے ساحلی علاقے اور مغرب کے بلند علاقوں کا موسم بحر ابیض متوسط کے موسم سے ملتا جلتا ہے، جبکہ ریگستانی علاقوں کی آب و ہوا خشک ہوتی ہے جس میں نقب کا علاقہ، وادی عربہ اور وادی اردن کے علاقے شامل ہیں۔ فلسطین کے مختلف علاقوں کا درجۂ حرارت مختلف ہوتا ہے، ساحلی علاقوں کی آب و ہوا مشرقی اور جنوبی علاقوں (وادی اردن، صحرائے نقب) کے مقابلہ میں معتدل ہوتی ہے۔

فلسطین کے مختلف النّوع علاقے

اگرچہ فلسطین رقبے کے اعتبار سے چھوٹا علاقہ ہے لیکن زمین کے اعتبار سے یہ علاقہ مختلف النوع خصوصیات اور مختلف حصّوں میں منقسم ہے، فلسطین کی سرزمین بنیادی طور پر چار قسم کے علاقوں پر مشتمل ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱: ساحلی میدانی علاقہ: یہ علاقہ بحر ابیض متوسط کے کنارے کے بالمقابل شمال میں "الناقورۃ" کے ایک سرے سے لیکر جنوب میں "رفح" تک پھیلا ہوا ہے، مشرق میں پہاڑیوں پر مشتمل بلند علاقے اور مغرب میں بحر ابیض متوسط پر مشتمل ہے۔

۲: پہاڑوں پر مشتمل بلند علاقہ: یہ علاقہ شمالی فلسطین کے ایک سرے سے لے کر جنوب میں "النقب" تک پھیلا ہوا ہے، مشرق میں نشیبی زمین اور مغرب میں ساحلی میدانی علاقوں پر مشتمل ہے، یہ علاقہ دو قسموں میں منقسم ہے:

۱: شمال میں (الجلیل) کا پہاڑی سلسلہ: اسی پہاڑی سلسلے میں فلسطین کی بلند ترین چوٹی ہے، اس میں معروف پہاڑ "الجرمق" سطح سمندر سے 1208 میٹر بلند "حیدر" پہاڑ سطح سمندر سے 1014 میٹر؛ "کنعان" پہاڑ سطحِ سمندر سے 936 میٹر بلندی پر واقع ہیں۔

۲: درمیانی پہاڑی سلسلہ: یہ سلسلہ شمال میں "مرج ابن عامر" کے میدانی علاقے سے لیکر جنوب میں "بئرالسبع" علاقے تک پھیلا ہوا ہے، اس علاقے کے معروف پہاڑ "حلحول" 1020 میٹر؛ "عیبال" 940 میٹر؛ "المکبر" 865 میٹر ہیں۔

۳: نشیبی علاقہ: یہ علاقہ شمال میں "الحولہ" کے میدانی علاقے سے لیکر جنوب میں 'وادی عربہ' تک پھیلا ہوا ہے، یہ بَرّی (خشک) علاقے کا سب سے زیادہ نشیبی علاقہ ہے، اس میں نہر اردن کا حوض، بحر میت، الجبی وادی اور عربہ وادی معروف ہیں۔

۴: نقب کا علاقہ: نقب کا علاقہ فلسطین کے تقریباً نصف رقبے پر مشتمل ہے، جنوب میں "خلیج عقبہ" سے لیکر شمال میں غزہ اور بئرالسبع تک اس علاقہ کی شکل مثلث بنتی ہے، یہ خشک علاقہ ہے، البتہ معدنیات اور پانی مہیا ہونے کی صورت میں زراعتی امکانات کے اعتبار سے یہ نہایت اہم علاقہ ہے۔

فلسطین کے پڑوسی ممالک کے رقبے کا خاکہ

ملک	سعودية	مصر	شام	أردن	لبنان	فلسطين
رقبہ مربع کلومیٹر	2,240,000	1,002,000	185,180	92,300	10,452	27000

فلسطین کے اہم شہر: مختصر تعارف

فلسطین اگرچہ جغرافیائی اعتبار سے چھوٹا علاقہ ہے لیکن دنیا کے تمام علاقوں کے مقابلہ میں رقبے کے اعتبار سے اس میں آبادی کا تناسب سب سے زیادہ پایا جاتا ہے، ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء میں فلسطین میں تقریبا ۲۷، شہر ۹۳۵، گاؤں اور دسیوں قبائل آباد تھے، مندرجہ ذیل سطور میں فلسطین کے اہم شہروں کا مختصر تعارف دیا جارہا ہے:

القدس:

القدس کو 'بیت المقدس' اور 'ایلیاء' بھی کہا جاتا ہے، پانچ ہزار سال پہلے 'یبوسیوں' نے اس کو اس اہم مقام پر آباد کیا تھا، اور اسی وقت سے یہ فلسطین کے دارالسلطنت کی حیثیت سے اور عالمی سطح پر ایک دینی، تاریخی اور ثقافتی مرکز کی حیثیت سے معروف رہا۔ یہ فلسطین کا مرکزی اوراہم تاریخی شہر ہے، مسلمانوں کے نزدیک مکہ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے بعد یہی تیسرا اہم شہر ہے، مسلمانوں کے قبلۂ اولی مسجد اقصی کی وجہ سے اس کو یہ اہمیت و مقام حاصل ہے، القدس فلسطین کے قلب میں واقع ہے، مرکز میں ہونے کی وجہ سے بھی دیگر شہروں سے سب سے زیادہ مربوط شہر یہی ہے۔

الخلیل:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ -علیہ السلام- کی جانب یہ شہر منسوب ہے، حضرت ابراہیمؑ، ان کی زوجہ حضرت سارہ اور حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب- علیہم السلام- اسی شہر میں مدفون ہیں، یہ شہر مغربی پٹی اور بیت لحم کے جنوب میں واقع ہے، رسول اللہ ﷺ

نے یہ شہر حضرت تمیم داریؓ کے حوالے کیا تھا، یہی شہر شمالی افریقہ کے والی اور فاتح اندلس قائد موسی بن نصیر کی جائے پیدائش ہے۔

نابلس:

یہ شہر القدس اور مغربی پٹی کے شمال میں ‘عیبال’ اور ‘جرزیم’ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے، اس کو صحابی جلیل حضرت عمرو بن عاصؓ نے فتح کیا تھا، یہاں معروف علماء پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ ابن قدامہ مقدسیؒ، علامہ المرداوی، السفارینی، محمد عزہ دروزہ وغیرہم۔

غزہ:

جنوبی فلسطین کا سب سے بڑا اور اہم شہر ہے، مصر و فلسطین اور جزیرۃ العرب کے درمیان ہمیشہ سے تجارتی مرکز اور گزرگاہ کی حیثیت سے ممتاز رہا ہے، رسول اللہ ﷺ کے جد امجد ہاشم بن عبد مناف کا اسی شہر میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں، اسی لئے اس کا نام ‘غزۃ ہاشم’ رکھا گیا، اسی شہر میں امام شافعیؒ کی پیدائش ہوئی۔

یافا: اس کو ‘عروس البحر المتوسط’ (بحر متوسط کی دلہن) کہا جاتا ہے، “یافی” کنعانی لفظ یعنی ‘خوبصورت’ کی بدلی ہوئی شکل “یافا” ہے، یہ پانچ ہزار سال سے زائد قدیم کنعانی شہر ہے، فلسطین کے درمیانی علاقوں اور بطور خاص القدس کے لئے ایک بندرگاہ کی حیثیت سے معروف رہا ہے، اسی کے قریب “تل ابیب” شہر بسایا گیا، یافا اپنی بندرگاہ، وہاں کے خاص سنتروں اور تجارتی مرکز کی حیثیت سے مشہور ہے۔

بیت لحم: یہ شہر القدس کے جنوب میں واقع ہے، اسی شہر میں "المہد" چرچ ہے، جہاں حضرت عیسیؑ کی ولادت ہوئی ہے، دینی وتاریخی مقام کی وجہ سے اور القدس سے قریب ہونے کی وجہ سے یہ شہر ایک اہم سیاحتی مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔

الناصرۃ:

یہ "طبریا" اور 'حیفا' کے درمیان واقع ہے، عیسائیوں کے نزدیک یہ مقدس شہر ہے، اسی میں "کنیسۃ البشارۃ" (البشارۃ چرچ) ہے جہاں عیسیؑ نے زندگی گزاری، انگور اور زیتون کے درختوں سے مالامال شہر ہے۔

اریحا:

بحر میت کے شمال میں واقع ہے، تل السلطان اور قصر ہشام جیسے آثار قدیمہ اسی میں موجود ہیں، دنیا کا قدیم ترین شہر ہے جس کی عمر دس ہزار سال سے زائد ہے۔

رام اللہ:

یہ شہر فلسطین کے وسطی پہاڑی سلسلے کے بیچ میں مغربی پٹی میں القدس کے شمال میں واقع ہے، "رام اللہ" دو کلمات سے مرکب ہے، وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں متعدد اقوال ہیں، معروف قول یہ ہے کہ "رام" کنعانی کلمہ بمعنی 'بلند جگہ' ہے، عربوں نے اس کے ساتھ اللہ کا اضافہ کردیا، رام اللہ کو موجود دور میں اہم سیاسی مقام حاصل ہے، اکثر حکومتی ادارے اسی شہر میں واقع ہیں۔

لد: یہ فلسطین کا قدیم اور بڑا تاریخی شہر ہے، القدس سے ۳۸ کلو میٹر دور شمال مغرب کی جانب واقع ہے، ۵۶۰۰ ق م میں آباد کیا گیا، ۱۹۳۷ء سے یہاں انٹر نیشنل ائر پورٹ قائم ہے، باب اللد کے پاس ہی دجال کو حضرت عیسیٰؑ قتل کریں گے، جیسے کہ روایات میں منقول ہے۔

عسقلان:

عسقلان؛ القدس سے ۶۵ کلو میٹر مغرب میں واقع ہے، یہ بھی قدیم شہر ہے جس کو کنعانیوں نے آباد کیا، عسقلان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افضل الرباط قرار دیا ہے۔ ''وان أفضل رباطكم عسقلان''(المعجم الكبير للطبراني 88/11) یعنی: ''بے شک تمہارے لئے دشمن سے مقابلہ اور حفاظت کی افضل ترین جگہ عسقلان ہے''۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اسی شہر کی جانب منسوب ہیں، اس لئے کہ ان کا قبیلہ عسقلان میں رہتا تھا جو بعد میں ہجرت کرکے مصر آگیا تھا۔

……

کا مسقف حصہ (جس کو ''الجامع القبلی'' کہا جاتا ہے) قبۃ الصخرۃ کی عمارت، مصلی مروانی، اور حائط البراق سب شامل ہیں، مسجد اقصی کے احاطے میں بہت سے اسلامی آثار موجود ہیں جن کی تعداد دو سو تک پہنچتی ہے۔

مسجد اقصی کے دروازے (مین گیٹ) :

مسجد اقصی کے پندرہ دروازے (مین گیٹ) ہیں جن میں سے شمالی اور مغربی سمتوں میں دس دروازے کھلے ہوئے ہیں، جبکہ دوسرے پانچ دروازے کافی عرصے سے مختلف اسباب کی بنیاد پر بند ہیں، یہ تمام دروازے بلند اور وسیع عمارتوں پر مشتمل ہیں جن کے اوپر بہت سے مدارس، دفاتر اور رہائش گاہیں ہیں، ان دروازوں کے نام ہیں :

۱: باب الأسباط (اس کا نام باب الأسود بھی ہے) ۲: باب حطہ
۳: باب فیصل (اس کا نام باب العتم بھی ہے)
۴: باب الغوانمہ (اس کا نام باب الولید بھی ہے)
۵: باب الناظر (اس کا نام باب المجلس اور باب الحبس بھی ہے)
۶: باب الحدید ۷: باب القطانین
۸: باب المتوضأ (اس کا نام باب المطہرۃ بھی ہے)
۹: باب السلسلہ (اس کا نام باب النبی داؤد بھی ہے)
۱۰: باب المغاربہ (اس کا نام باب البراق اور باب النبی بھی ہے)۔

جبکہ مشرقی اور جنوبی سمت میں پانچ دیگر دروازے ہیں جو صحیح قول کے مطابق صلاح الدین ایوبیؒ کے دور میں اور اس سے پہلے ہی حفاظتی پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے بند کر دیئے گئے ہیں، ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں :

۱: الباب المفرد
۲: الباب الثلاثی
۳: الباب المزدوج
۴: الباب الذہبی (اس کا نام باب الرحمۃ والتوبہ ہے)
۵: باب الجنائز۔

منارے:

مسجد اقصی کے چار منارے ہیں:

۱: مئذنہ فخریہ یا مئذنہ باب المغاربہ۔ اسلامی میوزیم کے ساتھ جنوب مغربی کونے میں ہے۔
۲: مئذنہ باب السلسلہ، مغربی سمت میں ہے۔
۳: مئذنہ باب الغوانمہ، شمال مغربی کونے میں ہے۔
۴: مئذنہ باب الأسباط، شمالی سمت میں ہے۔

قبے (گنبد): مسجد اقصی کے احاطے میں متعدد قبے واقع ہیں، جن میں سے اہم ترین مندرجہ ذیل ہیں:

۱: قبۃ السلسلہ
۲: قبۃ المعراج
۳: قبۃ النبی (محراب النبی)
۴: القبۃ النحویہ
۵: قبۃ یوسف
۶: قبۃ الشیخ الخلیلی
۷: قبۃ الخضر
۸: قبۃ یوسف آغا
۹: قبۃ موسی
۱۰: قبۃ سلیمان۔

چبوترے: مسجد اقصی کے احاطے میں مختلف سائز کے چھوٹے بڑے چھبیس (۲۶) چبوترے ہیں، جن میں سے بعض کے اوپر خوبصورت محرابیں بھی تعمیر کی گئی ہیں، ان چبوتروں کو گرمی کے موسم میں نماز اور درس وتدریس کے لئے تعمیر کیا گیا ہے، ان میں سے اہم ترین چبوترے مندرجہ ذیل ہیں:

۱: سلیمان سبیل والا چبوترہ ۲: عشاق النبی چبوترہ ۳: قبۂ سلیمانی چبوترہ
۴: الظاہر چبوترہ ۵: علاء الدین بصیری چبوترہ ۶: قیتبائی سبیل والا چبوترہ
۷: الکرک چبوترہ (اس پر کھڑے ہو کر "الکرک" پہاڑ نظر آتے ہیں)۔

مساجد و مصلے: مسجد اقصی سات ذیلی مساجد اور مصلوں پر مشتمل ہے جن کا مختصر تعارف مندرجہ ذیل ہے:

۱: الجامع القبلی/المسجد القبلی:

یہ حرم اقصی کے جنوب میں قبلہ کی جانب مسقف مسجد ہے، قبلہ کی جانب ہونے کی وجہ سے الجامع القبلی نام دیا گیا، اسی مسجد کو مرکزی مسجد سمجھا جاتا ہے، جہاں سے جمعہ کا خطبہ دیا جاتا ہے، اسی طرح مردوں کے لئے نماز پڑھنے کی مخصوص جگہ یہی ہے جہاں امام کی اقتداء میں باجماعت نمازیں ادا کی جاتی ہیں، اور اسی میں مرکزی محراب اور منبر ہیں۔

اس مسجد کو سب سے پہلے حضرت عمر بن خطابؓ نے سن ۱۵ھ ہجری میں فتح اسلامی کے موقع پر بنوایا تھا، اس وقت اس کے اندر تقریبا ایک ہزار نمازیوں کی گنجائش تھی، اس کے بعد حضرت معاویہؓ بن ابو سفیان نے اس کی تجدید وتوسیع کی تو تقریبا تین ہزار نمازیوں کے لئے کافی تھی، جب صلیبیوں نے القدس پر قبضہ کرلیا تو انھوں نے اس مسجد کو تین حصوں میں تقسیم کردیا: ایک حصے کو دفاتر کے لئے خاص کیا، دوسرے حصے کو سپاہیوں کی قیام گاہ بنالیا اور تیسرے حصے کو کنیسہ (چرچ) بنالیا۔

صلاح الدین ایوبیؒ کے زمانہ تک یہی حالت برقرار رہی، فتح کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبیؒ نے 538ھ/1187ء میں مسجد میں ترمیم کی، پھر دور عثمانی تک بارہا ترمیم

ہوتی رہی۔ موجودہ زمانہ میں فلسطین پر یہودیوں کے قبضے کے بعد یہ مسجد یہودیوں کے ذریعہ مسلسل بے حرمتی اور نقصانات کا نشانہ بنتی رہی، اس کے نیچے سرنگیں بنانے اور کھدائی کا کام جاری ہے، آتش زنی کے واقعات رونما ہوتے رہے، جس سے اس مسجد کو کافی نقصان پہنچتا رہا اور اس کے تقدس کو پامال کیا جاتا رہا۔

۲: مصلے مروانی:

یہ مسجد اقصی کے جنوب مشرقی جانب واقع ہے، مسجد اقصی کا یہ حصہ پہلے "التسویۃ الشرقیہ" کے نام سے معروف تھا، امویوں نے اس کو اصلا اس لئے بنایا تھا تاکہ اس حصے میں تعمیر کرکے پورے جنوبی حصے کو مسطح کردیا جائے، اس لئے کہ یہ حصہ دوسرے جنوبی حصے کے مقابلہ میں نیچے ڈھلوان میں تھا، مصلے مروانی ۱۶؍ دروں (ہالوں) پر مشتمل ہے، اس کا رقبہ ۴۰۰۰ مربع میٹر ہے۔

صلیبیوں نے مسجد اقصی پر قبضہ کرنے کے بعد مصلے مروانی کو گھوڑوں کا اصطبل بنادیا تھا، صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کو واگزار کرایا، البتہ اس میں باقاعدہ نماز کا اہتمام نہیں ہوا، ۱۹۹۶ تک یہ اسی شکل میں رہا، لیکن جب ۱۹۹۵ میں ایک سازش کے تحت مسجد اقصی کو تقسیم کرنے کے سلسلہ میں ایک خفیہ دستاویز تیار کی گئی جس کے مطابق مسجد اقصی کے نیچے کا ڈھلوان حصہ یہود کے حصہ میں اور اوپر کا حصہ مسلمانوں کے حصہ میں آتا تھا، اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہاں باقاعدہ نماز کا اہتمام ہو تاکہ مسجد اقصی کے کسی حصے کو بھی تقسیم کے عمل سے محفوظ رکھا جائے۔

اسی پس منظر میں پھر ۲۸؍ ستمبر ۲۰۰۰ کو ایریل شیرون نے مسجد اقصی کا اعلانیہ دورہ کیا جس کے رد عمل میں تحریک انتفاضہ شروع ہوئی۔

اہلِ قدس اور مضافات کے مسلمانوں نے اسلامی غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس وقت سے مسلسل اس حصے کو بھی نماز وعبادت کے ذریعہ آباد رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور یہ حصہ بھی ہمیشہ نمازیوں سے بھرا رہتا ہے خاص طور پر رمضان اور ایام جمعہ کے مواقع پر۔

۳: مصلے اقصی قدیم:

یہ مسجد قبلی کے متصل نیچے واقع ہے، مسجد قبلی سے ایک زینہ یہاں پہنچنے کے لئے بنایا گیا ہے، یہ جنوبی جانب دو(۲) دروں پر مشتمل ایک عمارت ہے، اس کو امویوں نے اس لئے تعمیر کیا تھا تاکہ جنوبی جانب شاہی محلات سے براہِ راست مسجد میں آنا ممکن ہو، اسی حصے میں مسجد قبلی میں موجود گنبد کے لئے مضبوط ستون ہیں، ۱۹۲۷ میں مصری بادشاہ ملک فاروق کے مالی تعاون سے اس میں ترمیم ہوئی اور ۱۹۹۸تک صرف مخصوص اوقات میں ہی اس کو کھولا جاتا تھا لیکن ۱۹۹۸ میں اس کو از سر نو نماز کے لئے تیار کیا گیا، اس میں تقریبا ایک ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔

۴: مسجد قبۃ الصخرۃ:

یہ مسجد اقصی کا ایک اہم جزء، شہر قدس کی مسجدوں میں ایک ممتاز ترین مسجد اور فنِ معماری میں دنیا کی خوبصورت ترین عمارتوں میں سے ایک اہم عمارت ہے، اس کا گنبد اسلامی فنِ معماری کا ممتاز و نمایاں شاہکار سمجھا جاتا ہے، اس مسجد اور اس کے گنبد کو عبد الملک بن مروان نے تابعی جلیل حضرت رجاء بن حیوہ الکندیؒ اور یزید بن

سلام (مولی عبد الملک بن مروان) کی نگرانی میں تعمیر کرایا، سن ۶۶ھ /۶۸۵ء تا ۷۲ھ/۶۹۱ء اس کی تعمیر کا کام ہوتا رہا۔

قبۃ الصخرۃ آٹھ کونوں پر مشتمل ایک خوبصورت عمارت ہے، اس کے چار دروازے ہیں، اس کے اندرونی حصہ میں ایک اور آٹھ کونی عمارت ہے، درمیان میں ایک دائرہ ہے جس کے بیچ میں وہ پتھر (صخرۃ) ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفر معراج پر لے جایا گیا۔

۵: مسجد البراق:

یہ مسجدِ اقصی کے جنوب مغربی جانب واقع ہے، اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفرِ معراج کے موقع پر اپنی سواری ”البراق“ اسی جگہ باندھی تھی، یہود اس جگہ کو ہیکلِ سلیمانی کا ایک جزء مانتے ہیں، اس حصے کو جمعہ کے دن صبح سے ہی اور بعض اہم مواقع پر کھولا جاتا ہے، سخت رطوبت اور پانی کی وجہ سے اس کے بعض پتھروں میں دراڑیں پڑ چکی ہیں، مسجد البراق کے دروازے پر ہمیشہ اسرائیلی فوجی موجود رہتے ہیں، جس سے نمازیوں کو وہاں پہنچنے میں دشواری ہوتی ہے۔

۶: مسجد مغاربہ:

یہ مسجد اقصی کے جنوب مغربی کونے میں ”حائط البراق“ کے جنوب میں واقع ہے، اس کے دو دروازے ہیں، آج کل اس کا استعمال اسلامی میوزیم کی مختلف چیزوں کی نمائش گاہ کے طور پر ہوتا ہے، میوزیم کو رباطِ منصوری سے ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں اس مسجد

میں منتقل کیا گیا، یہ بات معروف ہے کہ اس کو صلاح الدین ایوبیؒ نے ۵۹۰ھ/ ۱۱۹۳ء میں بنوایا تھا اور اس میں مالکی مسلک کے مطابق نماز ادا کی جاتی تھی۔

۷: جامع النساء (عورتوں کے لئے نماز کی مخصوص جگہ):

یہ مسجد اقصی کے اندرونی حصے میں واقع ہے، اس کے جنوب مغربی حصے کو اس کے لئے خاص کیا گیا ہے، آج یہ تین حصوں میں منقسم ہے:

۱: مغربی حصہ اسلامی میوزیم کے تابع ہے۔

۲: درمیانی حصہ میں "الأقصی" مرکزی مکتبہ ہے۔

۳: مشرقی حصہ مسجد قبلی کے تابع ہے جس کو اسٹور کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

جامع النساء ایک وسیع عمارت ہے جو مسجد قبلی کی سطح سے کچھ بلندی پر واقع ہے، محققین کا کہنا ہے کہ اس کی تعمیر صلیبی دور میں بطور چرچ ہوئی تھی جس کو بعد میں صلاح الدین ایوبیؒ نے عورتوں کے نماز پڑھنے کے لئے خاص کیا۔

ملحقہ عمارتیں:

مسجد اقصی کے ساتھ اور بھی عمارتیں ہیں جن میں سے اہم اور معروف مندرجہ ذیل ہیں:

مسجد اقصی کی دیکھ بھال اور انتظامی امور سے متعلق دفاتر، اسلامی میوزیم، دار القرآن الکریم، مدرسۃ البنات، مسجد اقصی کا عمومی مکتبہ، مخطوطات کی فوٹو کاپی کرنے کے لئے مائکرو فلم سسٹم کا شعبہ، اوقاف اسلامی کے دفاتر، القدس اوقاف کے دفاتر، الأقصی سیکنڈری مدرسہ۔

یہ سب عمارتیں مسجد اقصی کی جنوبی، مغربی اور شمالی سمتوں میں باب المغاربہ سے باب الأسباط تک واقع ہیں۔

قبۃ الصخرہ کے صحن میں مدرسۃ النحویہ (جو قبۃ النحویہ کے نام سے معروف ہے) میں مجلس اوقاف وامور اسلامی کے صدر کا دفتر ہے، اسی طرح قبۃ الصخرۃ کے نزدیک ذیلی مکتبے کے ساتھ ایک دار الحدیث بھی ہے، قبۃ الصخرۃ کے متصل بہت سے کمرے ہیں جو مسجد اقصی کے ائمۂ کرام، حرم کے محافظین اور پولیس چوکی کے لئے خاص ہیں۔

کنویں:

حرم قدسی میں پچیس (۲۵) کنویں ہیں، ان میں سے آٹھ قبۃ الصخرۃ کے صحن میں ہیں، جبکہ سترہ (۱۷) مسجد قبلی کے صحن میں ہیں۔

مسجد قبلی اور قبۃ الصخرۃ کے مابین وضوء کے لئے پانی کا ایک حوض ہے جس کا نام ''الکائس'' ہے۔

سبیلیں:

مسجد اقصی کے احاطے میں پانی کی متعدد سبیلیں ہیں جن میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

قایتبائی سبیل، الشعلان سبیل، علاء الدین بصیری سبیل (اس کا نام سبیل الحبس اور سبیل الناظر بھی ہے) البدیری سبیل، قاسم باشا سبیل، سبیلِ سلیمان قانونی، سبیل الکائس (اس کا نام سبیل البرکۃ بھی ہے) سبیل المغاربہ، سبیل باب حطۃ، سبیل الزیتونہ، سبیل الرحمۃ۔

* * *

باب دوم

دینی و مذہبی حقائق

فلسطین، القدس اور مسجد اقصیٰ کی اسلامی حیثیت

مسجد اقصی کے بارے میں قرآنی آیات :

قرآن کریم میں بیت المقدس کا تذکرہ متعدد آیات میں برکت وطہارت اور تقدس کی صفات کے ساتھ مذکور ہے، مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں :

❖ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **{سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّه هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ}** [الإسراء: 1]. ترجمہ: ”بڑی مقدس ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے ارد گرد (کے ماحول) کو ہم نے برکتوں سے معمور کر رکھا ہے، مقصد یہ تھا کہ ان کو ہم اپنی نشانیاں دکھا دیں، بے شک اللہ خوب سننے اور خوب دیکھنے والا ہے“۔

❖ موسیؑ کی زبانی اللہ عزوجل کا ارشاد ہے : **{يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ}**[المائدۃ: 11]. ترجمہ: ”اے میری قوم کے لوگو! اس مقدس شہر میں داخل ہو جس کو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اپنی ایڑیوں کے بل مت پلٹو کہ نامراد و ناکام ہو“۔

❖ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: **{وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ، وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا**

لِلْعَالَمِينَ} [الأنبياء: 07،01] ترجمہ: ”اور انہوں نے ہر چال چلی اور ہم نے انہیں بری طرح ناکام کیا، اور ہم نے ان کو اور لوطؑ کو وہاں سے نکال کر اس سرزمین میں پہنچادیا جس کو ہم نے سب کے لئے بابرکت بنایا ہے“۔

- مزید یہ بھی ارشاد ہے: **{وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ}** [الأنبياء: 11]. ترجمہ: ”اور سلیمانؑ کے لئے ہواؤں کو ہم نے مسخر کر دیا تھا، جو ان کے حکم سے آندھی کی طرح اس پر زمین تک (دور دراز خطوں سے) چلتی تھیں جس کو ہم نے برکت دے رکھی ہے اور ہم ہر چیز کا علم رکھتے ہیں“۔
- **{وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا} [الأعراف: 137]** ترجمہ: ”اور ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے، اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنادیا جسے ہم نے برکتوں سے مالامال کیا تھا“۔
- **{وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ} [الأنبياء: 81]** ترجمہ: ”اور سلیمان کے لئے ہم نے تیز ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، ہم ہر چیز کا علم رکھنے والے تھے“۔
- **{فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ} [القصص: 30]** ترجمہ: ”جب

وہ (موسیٰ) وہاں پہنچے تو وادی کے داہنے کنارے پر مبارک خطے میں ایک درخت سے پکارا گیا کہ ''اے موسی، میں ہی اللہ ہوں، سارے جہاں والوں کا مالک''۔

- ❖ **{وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ} [سبأ: 18]**

ترجمہ: '' اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان، جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی، نمایاں بستیاں بسا دی تھیں، اور ان میں سفر کی مسافتیں ایک اندازے پر رکھ دی تھیں''۔

- ❖ **{وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ، وَطُورِ سِينِينَ، وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ}** [التین: 1-3] ترجمہ: ''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سینا اور اس پر امن شہر (مکہ) کی''۔
- ❖ **{وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ}** [المؤمنون: 50]

ترجمہ: ''اور ابن مریمؑ اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشان بنایا اور ان کو ایک سطح مرتفع پر رکھا جو اطمینان کی جگہ تھی اور چشمے اس میں جاری تھے''۔

- ❖ **{وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ}** [ق: 41] ترجمہ: ''اور سنو، جس دن منادی کرنے والا (ہر شخص کے) قریب ہی پکارے گا''[1]۔
- ❖ **{فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ}** [النور: 36] ترجمہ: ''(اس کے نور کی طرف ہدایت پانے والے) ان گھروں میں پائے جاتے ہیں جنہیں بلند کرنے کا اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ نے اذن دیا ہے''۔

---

[1] ''قریب'' سے کئی مفسرین نے بیت المقدس مراد لیا ہے۔

❖ **{وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا}** [البقرة: 114] ترجمہ: ”اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو“۔

ارض فلسطین کے بارے میں احادیث

مسجد اقصی، بیت المقدس اور فلسطین (ارض شام) کے فضل ومقام اور شرف وتقدس کے سلسلہ میں بہت سی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، یہاں تک کہ اس سلسلہ میں کئی مؤلفین نے مستقل حدیث کے مجموعے مرتب کئے ہیں[1]، مندرجہ ذیل سطور میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

❖ **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى"-** (صحيح البخاري:1132 صحيح مسلم:3450)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”صرف تین مسجدوں کی جانب شد رحال (عبادت کی نیت سے سفر) کیا جاسکتا ہے: مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصی“۔

---

[1] جیسے کہ علامہ عبد الکریم سمعانی کی کتاب فضائل الشام“ حافظ ابن رجب حنبلیؒ کی فضائل الشام“ علامہ ابن تیمیہؒ کی فضائل الشام واہلہ“.

- **عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَمَّا فَرَغَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ مِنْ بِنَاءِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سَأَلَ اللَّهَ ثَلَاثًا: حُكْمًا يُصَادِفُ حُكْمَهُ، وَمُلْكًا لَا يَنْبَغِي لَأَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ، وَأَلَّا يَأْتِيَ هَذَا الْمَسْجِدَ أَحَدٌ لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ فِيهِ إِلَّا خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا اثْنَتَانِ فَقَدْ أُعْطِيَهُمَا وَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ قَدْ أُعْطِيَ الثَّالِثَةَ"**.(سنن ابن ماجه452/1، 1408 سنن نسأئي 34/2، 693 مسند أحمد 220/11(6644) ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب حضرت سلیمان بن داوٗد - علیہما السلام - بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کی دعا کی: اللہ کی مرضی اور حکم کے مطابق چلنے والی حکومت، ایسی بادشاہت جو ان کے بعد اور کسی کے شایان شان نہ ہو، اور یہ کہ جو بھی اس مسجد (اقصی) کی جانب آئے اور اس کی نیت یہی ہو کہ وہ اس میں نماز ادا کرے تو وہ اس سے ویسے پاک ہو کر نکلے جیسے کہ وہ پیدائش کے وقت پاک وصاف تھا۔ یہ کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک پہلی دو باتوں کا تعلق ہے تو وہ ان کو عطا کی گئیں، اور مجھے امید ہیکہ تیسری بات بھی قبول کی گئی ہو گی"۔
- **عَنْ مَيْمُونَةَ مَوْلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفْتِنَا فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ، قَالَ: "أَرْضُ الْمَحْشَرِ وَالْمَنْشَرِ، ائْتُوهُ فَصَلُّوا فِيهِ فَإِنَّ صَلَاةً فِيهِ كَأَلْفِ صَلَاةٍ فِي غَيْرِهِ، قُلْتُ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ أَتَحَمَّلَ إِلَيْهِ، قَالَ:فَتُهْدِي لَهُ زَيْتًا يُسْرَجُ فِيهِ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَهُوَ كَمَنْ أَتَاهُ"**.(سنن ابن ماجه 451/1، 1407)

ترجمہ: حضرت میمونہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ہمیں بیت المقدس کے بارے میں بتائیے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ محشر ومنشر کی زمین ہے، وہاں جا کر نماز پڑھا کرو، اس لئے کہ اس میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب دوسری جگہ ادا کی گئی ہزار نمازوں کے برابر ہے، میں نے عرض کیا: اگر میں وہاں جانے کی استطاعت نہ رکھوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو وہاں کے لئے تیل ہی بھیج دو جس کے ذریعہ اس میں چراغ جلایا جائے، جو ایسا کرے گا وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو کہ وہاں بذاتِ خود گیا ہو“۔

❖ **عَنْ ذِي الْأَصَابِعِ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنْ ابْتُلِينَا بَعْدَكَ بِالْبَقَاءِ أَيْنَ تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: "عَلَيْكَ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَلَعَلَّهُ أَنْ يَنْشَأَ لَكَ ذُرِّيَّةٌ يَغْدُونَ إِلَى ذَلِكَ الْمَسْجِدِ وَيَرُوحُونَ".** (مسند أحمد 190/27، (16632) المعجم الكبير للطبراني 238/4 (4238)

ترجمہ: حضرت ذوالأصابع سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ کے بعد ہم زندہ رہے اور ہم پر آزمائشی مراحل آئیں تو آپ ہمیں کہاں جانے کا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیت المقدس کو لازم پکڑ لینا، شاید کہ تمہیں ایسی اولاد نصیب ہو جنہیں صبح وشام مسجد (اقصیٰ) جانے کی سعادت ملے“۔

❖ **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ –صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– قَالَ: "لا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى أَبْوَابِ دِمَشْقَ وَمَا حَوْلَهُ، وَعَلَى أَبْوَابِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَمَا حَوْلَهُ، لا يَضُرُّهُمْ خِذْلانُ مَنْ خَذَلَهُمْ، ظَاهِرِينَ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ".** (المعجم الأوسط للطبراني 19/1 مسند أبي يعلى 302/11 (6417)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت میں سے ایک گروہ مسلسل دمشق کے دروازوں پر اور اس کے آس پاس، اور بیت المقدس کے دروازوں پر اور اس کے آس پاس جہاد کرتا رہے گا، ان کو بے یار ومددگار چھوڑ دینے والا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے، قیامت برپا ہونے تک وہ غالب رہیں گے“۔

❖ **عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ رَأَيْتُ عَمُودَ الْكِتَابِ احْتُمِلَ مِنْ تَحْتِ رَأْسِي فَظَنَنْتُ أَنَّهُ مَذْهُوبٌ بِهِ فَأَتْبَعْتُهُ بَصَرِي فَعُمِدَ بِهِ إِلَى الشَّامِ أَلَا وَإِنَّ الْإِيمَانَ حِينَ تَقَعُ الْفِتَنُ بِالشَّامِ"**.(مسند أحمد 310/29(17775) مسند بزار 114/2(4111)

ترجمہ : حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں سویا تھا اسی دوران میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کاغذ کا ٹکڑا میرے سر کے نیچے سے اٹھا لیا گیا، میں نے خیال کیا کہ اس کو کہیں لے جایا جائے گا اس لئے میں اس کو دیکھتا ہی رہا، تو اس کو شام کی جانب لے جایا گیا، سن لو: جب فتنے برپا ہوں گے اس وقت ایمان شام میں محفوظ ہوگا“۔

* * *

اسلام میں فلسطین کا مقام

اسلام میں بیت المقدس کو عظمت وبلندی اور تقدس کا مقام حاصل ہے، تمام مسلمان اس سلسلہ میں متفق ہیں، مشرق ومغرب میں موجود ہر مسلمان بیت المقدس کو تقدس کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اسی لئے تمام مسلمانوں پر بیت المقدس کا دفاع کرنا، اس کے مقدسات کو پامال ہونے سے بچانا اور اسے غیروں کے تسلط سے آزاد کرانا واجب ہے، مسلمانوں کے نزدیک وہ قبلۂ اولیٰ، اسراء ومعراج کی سرزمین، دینی مقام کے اعتبار سے تیسرا شہر، انبیاء اور رسولوں کا مسکن اور برکتوں اور رباط وجہاد کی سرزمین ہے، مندرجہ ذیل سطور میں مختصر طور پر اس کو بیان کیا جارہا ہے:

۱: **مسلمانوں کا قبلۂ اولیٰ:** مسجد اقصی کو مسلمانوں کے لئے پہلا قبلہ ہونے کی حیثیت حاصل ہے، بعثتِ نبوی کے دسویں سال اسراء ومعراج کے موقع پر نماز کی فرضیت کے بعد سے لے کر تحویلِ قبلہ کے حکم تک مسلمان بیت المقدس کی جانب نماز پڑھتے رہے، مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ ماہ تک اسی کی جانب رخ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا: {وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ}[البقرة: 150] اس کے بعد خانۂ کعبہ اور بلدِ حرام کو مسلمانوں کا قبلہ متعین کیا گیا۔

مدینہ منورہ میں آج بھی وہ تاریخی مسجد ”مسجد القبلتین“ موجود ہے جس میں مسلمانوں نے ایک ہی نماز بیت المقدس اور خانہ کعبہ کی جانب ادا کی۔

۲: **روئے زمین کی دوسری مسجد کا اعزاز:** فلسطین کو اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ وہاں روئے زمین پر بنائی جانے والی اولین مساجد میں سے دوسری مسجد ہے، حضرت ابوذر

غفاری ۔رضی اللہ عنہ۔ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ”میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ ! زمین پر سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام، فرماتے ہیں: میں نے دریافت کیا: اسکے بعد کونسی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ، میں نے عرض کیا: ان دونوں کے درمیان کتنی مدت رہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس سال“۔ (صحیح بخاری)

۳: **اسراء ومعراج کی سرزمین:** بیت المقدس کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اسراء ومعراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے لئے زمینی سفر کا منتہی اور معراج سماوی کا نقطۂ آغاز بنایا، مشیت الٰہی کے مطابق اس سفر کا آغاز مسجد حرام سے ہوا، اور یہ زمینی سفر بیت المقدس پر اس طور پر مکمل ہوا کہ وہاں خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت کرائی، اگر بیت المقدس اس سفر میں مقصود نہ ہوتا تو مکہ مکرمہ سے براہِ راست آسمان کی جانب سفر ممکن تھا لیکن اس مقدس سرزمین سے گزرنا مقصود تھا جیسا کہ قرآن وحدیث کے نصوص سے ثابت ہوتا ہے۔

معراج کے موقع پر نبی کریم ﷺ کو بیت المقدس کا سفر کرانے میں عظیم پیغام اور اشارہ ہے کہ یہ جگہ نہایت مقدس ہے اور اسلام میں اس کو اہمیت کا مقام حاصل ہے۔

۴: **القدس تین عظیم شہروں میں سے تیسرا شہر:** القدس کو اسلام میں تیسرے مقام کا شہر ہونے کی حیثیت حاصل ہے، مقام وتقدس کے اعتبار سے پہلا شہر مکہ مکرمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خانۂ کعبہ اور مسجد حرام کے ذریعہ شرف عطا کیا ہے، دوسرے مقام پر مدینہ منورہ یا طیبہ شہر آتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے وطن اور ہجرت کی جگہ ہونے کا شرف عطا کیا ہے اور مسجد نبوی اور روضۂ رسول ﷺ کے ذریعہ

مشرف ومکرم بنایا ہے، جبکہ تیسرا شہر القدس یا بیت المقدس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصی کے ذریعہ مقامِ بلند عطا کیا ہے،۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے صحیح روایت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى".** (صحيح البخاري:1132 صحيح مسلم:3450) یعنی: ”صرف تین مسجدوں کی جانب شد رحال (عبادت کی نیت سے سفر) کیا جاسکتا ہے: مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصی“۔

اس لئے ان تین مساجد کے علاوہ ثواب کے اعتبار سے تمام مساجد مساوی ہیں، عبادت یا زیادہ ثواب کی نیت سے کسی بھی مسجد یا مقام کے لئے سفر کرکے جانا جائز نہیں ہے، سوائے اِن مخصوص مساجد کے، حدیث میں تین ہی کا ذکر ہے اس لئے کسی اور مسجد یا مقام کو ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لہٰذا اسلام نے جب مسجد اقصی کو تیسری عظیم مسجد قرار دیا تو ساتھ ہی مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے ساتھ ایک تیسرے عظیم شہر کو بھی مربوط کردیا تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ اسلام تکمیل و تعمیر چاہتا ہے، اس لئے کہ القدس انبیاء کی سرزمین ہے اور مسلمان اللہ کے رسولوں اور انبیاء کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، رسول اللہ ﷺ نے یہود مدینہ سے فرمایا: ”نحن أولیٰ بموسیٰ منکم“۔ یعنی: تمہارے مقابلہ میں ہم موسیٰؑ کے زیادہ حقدار ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۵: **انبیاء اور برکات کی سرزمین:** اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں پانچ آیات میں اس شہر کو برکت کے ساتھ متصف کیا ہے، لہٰذا اس کے بابرکت ہونے کے بارے میں کسی

کو کیا شبہ یا تردد ہو سکتا ہے! ارضِ فلسطین اور بطور خاص القدس بہت سے انبیاء کے لئے آسمانی وحی کے نزول کی سرزمین رہی ہے جیسے کہ حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ، حضرت عیسیٰؑ جنہوں نے اس مبارک سرزمین کی جانب ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط -علیہما السلام- کی ارض فلسطین کی جانب ہجرت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي} [العنکبوت: 26] حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کوفہ سے شام کی جانب ہجرت کی۔ (ابن کثیر)

دوسری جگہ ارشاد ہے: {وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ} [الأنبياء: 71] یعنی: "اور ہم نے ان کو اور لوطؑ کو وہاں سے نکال کر اس سرزمین میں پہنچادیا جس کو ہم نے سب کے لئے بابرکت بنایا ہے"۔

ارض فلسطین کی جانب موسیٰؑ کی ہجرت کے بارے میں ارشاد فرمایا: {وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ} [الأعراف: 138] اور موسیٰؑ نے اپنی قوم سے مطالبہ کیا کہ سفرِ ہجرت جاری رکھیں اور ارضِ فلسطین میں داخل ہوں: {يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ} [المائدۃ: 21]

فرشتوں کا نزول صرف نزولِ وحی کے لئے نہیں ہوا ہے بلکہ اس سرزمین کو فرشتوں کی دائمی قیام گاہ ہونے کا شرف واعزاز حاصل ہے، حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "خوشخبری ہو شام کے لئے، صحابہؓ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس لئے کہ اللہ کے فرشتے شام کی سرزمین پر اپنے پیر پھیلائے ہوئے ہیں"۔ (سنن ترمذی، مسند احمد) معلوم یہ ہوا کہ فرشتے اس سرزمین کو

برکتوں کے نزول کے لئے اور مؤذی اور مہلک چیزوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر وقت موجود ہیں۔

آج بھی ارض فلسطین میں بہت سے انبیائے کرام آرام فرمارہے ہیں، جن میں سب سے زیادہ معروف نبی ابو الأنبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جن کی قبر "الخلیل" شہر میں ہے، اسی طرح حضرت اسحاق، حضرت یوسف اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی قبریں اسی سرزمین میں ہیں، سیدنا موسیٰؑ کی قبر بیت المقدس کے بالکل قریب ہے۔

اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہ وہ سرزمین ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو سید الأنبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک ساتھ جمع فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی امامت کی۔

٦ : ابتلاء وآزمائش اور فتنوں کے وقت کی جائے پناہ:

ارضِ فلسطین کو یہ اعزاز وشرف حاصل ہے کہ اس کو آزمائشی مراحل اور فتنوں کے دور میں جائے پناہ اور مرکزِ اسلام قرار دیا گیا ہے، ماضی میں بھی انبیاء وصلحاء نے سخت حالات میں اسی سرزمین کا رخ کیا اور آئندہ کے لئے بھی قرآن وحدیث میں اسی سرزمین کو نزول برکت کی جگہ، جائے پناہ اور مرکز اسلام قرار دیا گیا ہے۔

حضرت سلمہ بن نفیلؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عُقْرُ دَارِ الإِسْلامِ بِالشَّامِ" "اسلام کا مرکز اور جائے پناہ شام ہے"۔ (طبرانی (6359) 53/7، مجمع الزوائد 60/1)

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "أَلَا وَإِنَّ الْإِيمَانَ إذا تَقَعُ الْفِتَنُ بِالشَّامِ"۔(مستدرک حاکم

(8554)555/4 مسند أحمد(17810) 4/198) یعنی: ’’سن لو: جب فتنے برپا ہوں گے اس وقت ایمان شام میں محفوظ ہوگا‘‘۔

حضرت سالم بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’سَتَخْرُجُ نَارٌ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنْ بَحْرِ حَضْرَمَوْتَ تَحْشُرُ النَّاسَ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ‘‘-(سنن ترمذی 2217) مسند أحمد (5146) 53/2) یعنی: ’’قیامت سے پہلے حضرموت کے سمندر سے ایک آگ نکلے گی جس کی وجہ سے لوگ جمع ہو جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اس وقت کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شام کو لازم پکڑ لینا‘‘۔

۷: **ارض رباط وجہاد:** اسلام میں ارض فلسطین کو رباط وجہاد کی سرزمین قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ مقدس سرزمین اپنے مقام وتقدس کی وجہ سے ہر زمانہ میں مختلف قسم کے حملہ آوروں کا نشانہ رہی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس سرزمین پر مسلمان ہمیشہ مستعد ہو کر جہاد ورباط کی پوزیشن میں رہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’میری امت میں سے ایک گروہ مسلسل دمشق کے دروازوں پر اور اس کے آس پاس، اور بیت المقدس کے دروازوں پر اور اس کے آس پاس جہاد کرتا رہے گا، ان کو بے یار ومددگار چھوڑ دینے والا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے، قیامت برپا ہونے تک وہ غالب رہیں گے‘‘۔(المعجم الأوسط للطبراني 19/1 مسند أبي يعلى 302/11(6417)

۸: **مسجدِ اقصیٰ کے لئے شدِ رحال کا جواز:** مسجدِ اقصیٰ ان مقدس مقامات میں سے ہے جہاں عبادت کی نیت سے سفر (شدِ رحال) کیا جا سکتا ہے، صحیحین میں حضرتِ أبوہریرہؓ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”عبادت کی نیت سے سفر (شدِ رحال) صرف تین مسجدوں کی جانب کیا جاسکتا ہے: مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ، اور میری یہ مسجد (مسجدِ نبوی)“۔

۹: **مسجد اقصی میں نماز کے ثواب میں اضافہ:** حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو ہم نے آپس میں اس بات کا مذاکرہ کیا کہ دونوں میں افضل کون ہے: مسجد نبوی یا بیت المقدس؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد اقصی میں چار نمازیں پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔ اور وہ (مسجد اقصیٰ) کیا ہی بہترین نماز پڑھنے کی جگہ ہے، ایک زمانہ آئے گا کہ ایک آدمی کے پاس گھوڑے کی رسی کے برابر زمین ہو گی جہاں سے وہ بیت المقدس کو دیکھ سکتا ہو، یہ اس کے لئے پوری دنیا سے زیادہ بہتر ہوگا۔ یا آپؐ نے فرمایا: دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا“۔ (مسند حاکم[1])

۱۰: **طائفۂ منصورہ کا مرکز:** حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ لَعَدُوِّهِمْ قَاهِرِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ إِلَّا مَا أَصَابَهُمْ مِنْ لَأْوَاءَ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَأَيْنَ هُمْ قَالَ: بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ وَأَكْنَافِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ“- (مسند احمد(22374) 269/5) ترجمہ: ”میری امت میں سے ایک گروہ مسلسل حق پر قائم اور اپنے دشمن پر غالب رہے گا، جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاسکے گا،

---

[1] حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جب ایک مسلمان اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس کے پاس چھوٹی سی جگہ ہو جہاں سے وہ بیت المقدس کی جانب دیکھ سکتا ہو۔

سوائے اس کے جو ان کو آزمائیش لاحق ہو، وہ اسی حال پر رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! وہ کہاں پر ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیت المقدس میں اور بیت المقدس کے آس پاس"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى أَبْوَابِ دِمَشْقَ وَمَا حَوْلَهُ، وَعَلَى أَبْوَابِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَمَا حَوْلَهُ، لا يَضُرُّهُمْ خِذْلانُ مَنْ خَذَلَهُمْ، ظَاهِرِينَ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ".(المعجم الأوسط للطبراني 19/1 مسند أبي يعلى 302/11(6417) مجمع الزوائد 60/10) ترجمہ: "میری امت میں سے ایک گروہ مسلسل دمشق کے دروازوں پر اور اس کے آس پاس، اور بیت المقدس کے دروازوں پر اور اس کے آس پاس جہاد کرتا رہے گا، ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے والا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے، قیامت برپا ہونے تک وہ غالب رہیں گے"۔

حضرت بہز بن حکیمؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: "قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيْنَ تَأْمُرُنِي قَالَ هَاهُنَا وَنَحَا بِيَدِهِ نَحْوَ الشَّامِ"۔ ترجمہ: "میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ مجھے کہاں رہنے کا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہاں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے شام کی جانب اشارہ کیا"۔(سنن ترمذی 485/4(2192) مسند أحمد 20043, 5/3)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ وَلَنْ تَزَالَ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ".(مسند أحمد 436/15635,3) "جب اہلِ شام میں فساد برپا ہو جائے تو تم میں کوئی خیر باقی نہیں رہے گا، میری امت میں سے مسلسل ایک طائفہ (گروہ) ایسا رہے گا جن کے ساتھ ہمیشہ

اللہ کی مدد رہے گی جو ان کو بے یارو مددگار چھوڑ دے گا وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا"۔ (مسندِ احمد)۔

۱۱: **منشر اور محشر[1] کی سرزمین:** حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ہمیں بیت المقدس کے بارے میں (کوئی خاص بات) بتائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وہ محشر (حساب کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کی جگہ) اور منشر (لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی جگہ) ہے"۔ (مسند احمد 463/6، سنن ابن ماجہ 429/1)

> القدس اور فلسطین کی مبارک سرزمین کے بارے میں سابقہ آیات اور احادیث سے سرزمین فلسطین اور مسجد اقصیٰ کا مقدس ہونا اور بلند مقام کا حامل ہونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس مسئلہ کو نظر انداز کرے یا اس کے مقام کو کم کرے، یہود کے ذریعہ ہماری اس مبارک سرزمین کی توہین و پامالی مسلمانوں کی خطرناک ترین غلطیوں کا نتیجہ ہے۔

---

[1] منشر: وہ جگہ جہاں لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور محشر: وہ جگہ جہاں لوگوں کو حساب وکتاب کے لئے جمع کیا جائے گا۔

فلسطین اور بیت المقدس کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ

مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہی حضرت داودؑ، حضرت سلیمانؑ، اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء اور صلحاء کی میراث کے حقیقی اور مستحق وارث ہیں، کیونکہ ان انبیاء و صلحاء نے فلسطین میں توحید کے پرچم تلے ایک زمانے تک حکومت کی، وہاں کی حکومت کا شرعی و قانونی حق مسلمانوں کی طرف منتقل ہوا کیونکہ وہی ان رسولوں کے بعد توحید کا پرچم بلند کرنے والے اور انبیاء کے اصل راستے پر چلنے والے ہیں، مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہود راہِ حق سے ہٹ گئے، انھوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کی، اپنے انبیاء کو قتل کیا اور اللہ کی ناراضگی اور غضب کے مستحق ہوئے۔ اس لئے پوری سرزمینِ فلسطین کے حقیقی، شرعی اور قانونی حقدار مسلمان ہی ہیں۔

کتبِ تاریخ سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ فلسطین -اور خاص طور پر بیت المقدس- پر مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں مسلم حکمرانوں کا طرزِ عمل غیر جانبدارنہ اور رواداری والا، اور دوسروں کے حقوق کی حفاظت و حمایت پر مبنی تھا، جبکہ دیگر حکمرانوں کا عام طرزِ عمل جانبدارانہ تھا جس کے مطابق دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری ناممکن تھی، دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر ظلم کیا جاتا اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی۔

یہود و نصاری کے نزدیک القدس کا مقام

سرزمین فلسطین کو یہود و نصاری کے نزدیک بھی مقدس سمجھا جاتا ہے اور مذہبی نقطۂ نظر سے اہمیت دی جاتی ہے:

یہود کے نزدیک:

یہود فلسطین کو اپنی موعودہ سرزمین تصوّر کرتے ہیں، جیسے کہ عہدِ قدیم (Old Testament) میں مذکور ہے، وہ اس کو اپنی تاریخ کا مرکز و محور، اپنے انبیاء کا جائے مدفن اور یہودی مذہب کا مرکز سمجھتے ہیں، ان کے عقائد کے مطابق وہی ان کے مقدسات کا بھی مرکز ہے، خاص طور پر القدس اور الخلیل شہر۔

عیسائیوں کے نزدیک:

عیسائی بھی فلسطین کو اپنے دین کا مرکز تصور کرتے ہیں، کیوں کہ وہیں حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی، وہیں انہوں نے دعوت کا کام کیا، وہیں ان کے مذہبی مراکز بھی ہیں، ''القیامۃ'' چرچ وہیں پر ہے جس کے بارے میں وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰؑ وہاں مدفون ہیں، القدس شہر میں Pain road (تکلیف کا راستہ) ہے جس میں عیسیٰؑ (عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق) چلے ہیں، عیسائیوں کے نزدیک وہاں کے اہم شہروں میں ''بیت لحم'' اور ''الناصرہ'' مقدس شہر ہیں۔

فلسطین کے بارے میں یہود کے دعووں کی حقیقت:

فلسطین کے بارے میں یہودیوں کا یہ دعوی کہ وہ ان کا تاریخی حق ہے، وہاں کے اصل عرب مسلمان باشندوں کے حق کے سامنے بے بنیاد قرار پاتا ہے، کیونکہ فلسطینی باشندوں نے اس سرزمین کو بنی اسرائیل کی ''مملکت داؤد'' کے قیام سے 1500 سال پہلے سے آباد رکھا، اور وہ مملکت داؤد کے درمیان بھی وہاں آباد رہے، اور پھر اس وقت بھی جب کہ یہود کا اس سرزمین سے رابطہ منقطع ہوا، اور آج تک فلسطینی مسلمان وہاں آباد ہیں۔

یہودیوں نے فلسطین کے بعض علاقوں پر (نہ کہ سب پر) تقریباً چار صدیوں تک حکومت کی (خاص طور پر 1004-586 ق.م کے درمیان) اور ان کی حکومت بھی ویسے ہی ختم ہو گئی جیسے دوسری قوموں کی، جن میں آشوری، فارسی (ایرانی) فراعنہ مصر، رومی اور افریقی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لیکن فلسطینی قوم اپنی سرزمین پر ہمیشہ آباد رہی۔

فلسطین میں مسلمانوں کا دورِ حکومت ہی سب سے طویل ترین دور ہے جو عیسائی دورِ اقتدار کے نوے سال کو چھوڑ کر تقریباً 1200 سال (636 م سے 1917 م تک) تسلسل کے ساتھ رہا، عملی طور پر یہودیوں کا تعلق فلسطین کے ساتھ تقریباً 1800 سال (135 م سے بیسویں صدی تک) بالکل منقطع رہا، ان کا وہاں سیاسی، تہذیبی اور کسی طرح کا بھی کوئی اثر ونفوذ نہیں رہا، بلکہ ان کی مذہبی تعلیمات نے ان کی وہاں واپسی کو حرام قرار دیا۔

معاصر یہودیوں میں سے اسی فیصد (۸۰%) یہودیوں کا تاریخی اعتبار سے فلسطین سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا ہے، خود یہودیوں کے ''آرتھر کوسٹلر'' جیسے معروف مصنفین کی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہے، اسی طرح ان کا قومی و نسلی اعتبار سے بھی بنی اسرائیل سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ موجودہ یہودیوں کی اکثریت کا تعلق 'الخزر' یہودی نسل 'اشکناز' سے ہے اور یہ تاتاری (قدیم ترکی) قبائل ہیں جو قوقاز کے شمال میں مقیم تھے، اور انہوں نے آٹھویں صدی مسیحی میں یہودیت اختیار کی، اگر ان یہود کو اپنے وطن واپس لوٹنے کا کوئی حق ہے تو وہ فلسطین کی جانب نہیں بلکہ جنوبی روس کی جانب ہے۔

پھر یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ ان کا فلسطین سے ہمیشہ سے گہرا ربط و تعلق رہا ہے، یہ دعویٰ بھی اصل حقیقت کے سامنے بے بنیاد قرار پاتا ہے، اس لئے کہ بنی اسرائیل کی

اکثریت نے موسی علیہ السلام کے ساتھ ارض مقدسہ کی جانب جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح جب ایرانی بادشاہ ''قورش ثانی'' نے انہیں دوبارہ فلسطین میں بسانے کی پیشکش کی تھی تو ان کی اکثریت نے بابل (عراق) سے واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔

آج تک پوری تاریخ میں فلسطین میں یہودیوں کی تعداد - ان کے عروج کے وقت بھی - دنیا کے تمام یہودیوں کی آبادی میں سے چالیس فیصد ۴۰% سے زائد نہیں رہی ہے۔

فلسطین پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟

دلائل کی روشنی میں

بلاشبہ فلسطین میں یہودیوں کے قیام کا زمانہ نہایت مختصر زمانہ ہے، تمام تہذیبوں کے درمیان موزانہ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے، البتہ بعض دیگر اہم مصادر کی جانب رجوع کرنے سے مزید مندرجہ ذیل حقائق واضح ہوتے ہیں:

فلسطین میں جن قوموں کے ابتدائی آثار ملتے ہیں وہ کنعانیوں اور آموریین کے نام سے موسوم ایک دوسری قوم کے ہیں، یہ سب وہ عرب قبائل تھے جنہوں نے جزیرۃ العرب سے ہجرت کی تھی اور شام و فلسطین میں جا کر بسے، اس پر اسلامی اور مغربی تمام مؤرخین کا اتفاق ہے، اس دور میں یہود کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔

فلسطین میں بسنے والی قدیم ترین قوم 'کنعانی' ہے جو جزیرۃ العرب سے ۴۵۰۰ سال پہلے آئے، اسی لئے فلسطین کو ابتدائی زمانے میں 'ارض کنعان' کہا گیا اور موجودہ فلسطینی انہی کنعانیوں کی نسل سے ہیں، اسی طرح ان کے ساتھ مشرقی بحر متوسط کے قبائل 'بلست' یا 'فلسطینی' اور دیگر عرب قبائل مل گئے۔

مسلمانوں کا فلسطین میں - خاص طور پر القدس میں - اپنے دورِ اقتدار کے دوران کا طرزِ عمل اور سلوک آپسی بھائی چارے، رواداری اور دوسروں کے حقوق کی حفاظت و حمایت پر مبنی تھا، جبکہ دیگر اقوام کا طرزِ عمل معاندانہ تھا، جس کے مطابق دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رہنا ممکن نہیں تھا، دوسروں پر ظلم کیا جاتا اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی۔

ارض فلسطین میں مسلمانوں کا زمانہ طویل ترین اور مسلسل تاریخی زمانہ رہا ہے۔ 15ھ - 636م میں فلسطین کو فتح کرنے کے بعد آج تک اس سے اسلامی تاریخ وابستہ ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ ۱۹۴۸ سے صہیونی قبضے کے بعد سے وہاں کے باشندوں کو اس کے ایک حصے سے بزور نکالا گیا۔

فلسطین کے بارے میں یہودیوں کے تاریخی حق کے دعوے مسلمان عربوں کے حق کے سامنے زمین بوس ہو جاتے ہیں، فلسطین کے حقیقی باشندوں نے اس سرزمین کو بنی اسرائیل کی حکومت (یعنی مملکتِ داوٗدؑ) کے قیام سے ۱۵۰۰ سال پہلے سے آباد کیا اور پھر مملکت داوٗد کے دوران اور اس کے بعد بھی (یہود کے انقطاع کے بعد) وہاں مسلسل آباد رہے، اور مملکت داوٗدؑ دین حق کی بنیادوں پر قائم تھی جس میں یہود نے بعد میں تحریف کردی۔

یہود نے فلسطین کے بعض اجزاء پر تقریبا چار صدی تک (خاص طور پر ۱۰۰۰-۵۸۶ق، م کے درمیان) حکومت کی، ان کی حکومت بھی آشوریوں، فارسیوں، فراعنہ، اغریق اور رومیوں کی طرح زوال کا شکار ہو گئی، جبکہ فلسطینی قوم ہمیشہ اپنی سرزمین میں باقی رہی۔

اسلامی دورِ حکومت طویل ترین دور رہا ہے، اس لئے کہ وہ تقریباً ۱۲۰۰ سال (1917-636) تک رہا، سوائے ۹۰ سال کے صلیبی زمانے کے۔

عملی طور پر فلسطین سے یہودیوں کا تعلق تقریباً ۱۸۰۰ سال منقطع رہا، (۱۳۵م سے بیسویں صدی تک) ان کا اس میں کوئی سیاسی، تہذیبی، یا تمدنی وجود نہیں تھا، بلکہ ان کی مذہبی تعلیمات نے ان کے لئے اس کی طرف لوٹنے کو ممنوع قرار دیا تھا۔

بلا شبہ معاصر یہودیوں میں سے ۸۰% یہودی مشہور مؤلف ”آرتھر کوسٹلر“ جیسے یہودی محققین کے مطابق تاریخی اعتبار سے فلسطین سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں، اسی طرح وہ نسلی اور قومی اعتبار سے بھی بنی اسرائیل سے تعلق نہیں رکھتے ہیں، آج کے یہود کی اکثریت کا سلسلہ حزر ’اشکناز‘ سے جاملتا ہے جو کہ اصلاتاتاری قدیم ترکی قبائل ہیں، وہ قوقاز کے شمال میں مقیم تھے اور آٹھویں صدی عیسوی میں انہوں نے یہودیت اختیار کی۔ لہٰذا اگر ان یہود کو واپس آنے کا کوئی حق ہے تو وہ فلسطین کی جانب نہیں بلکہ جنوبی روس کی جانب واپس جاسکتے ہیں۔

فلسطین میں حکومت کرنے والی مختلف قوموں کے دور اقتدار کا توضیحی خاکہ:

نظام حکومت	حکومت کا زمانہ	تاریخ
بنی اسرائیل کی حکومت	418 سال	586-1004ق،م
عراقی حکومت	47 سال	539-586ق،م
ایرانی (فارسی) حکومت	207 سال	332-539ق،م
اغریقی حکومت	26 سال	63-332ق،م
رومانی حکومت	699 سال	636-63ق،م
اسلامی حکومت	1200 سال سے زائد	1948-636 صلیبی دور حکومت ۹۱؍ سال چھوڑ کر

باب سوم

فلسطین: تاریخی و سیاسی مراحل

فلسطین : ما قبل اسلام

فلسطین دنیا کا قدیم ترین متمدن علاقہ :

ارضِ فلسطین کو دنیا کے قدیم ترین متمدن علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے، آثار قدیمہ کے جدید انکشافات کے مطابق یہ پہلی سرزمین ہے جہاں تقریباً گیارہ ہزار سال پہلے (9000 ق،م) انسان نے کھیتی باڑی اور مستقل زندگی گزارنے کا انداز اختیار کیا، اسی سرزمین پر تقریباً آٹھ ہزار سال ق،م تاریخ کا قدیم ترین شہر **"أریحا"** بسایا گیا جو مختلف تہذیبوں کے ساتھ آج تک آباد ہے۔

کنعانی اور یبوسی قومیں فلسطین میں :

کنعانی: سب سے قدیم ترین معروف قوم جو فلسطین میں آباد ہوئی اور وہاں اپنے اثرات ڈالے، کنعانی قوم ہے، ان کے ساتھ "أموری" قوم بھی آباد ہوئی، کنعانی تقریباً 4500 سال پہلے جزیرۃ العرب سے آئے، اسی لئے فلسطین پہلے 'ارض کنعان' کے نام سے معروف ہوا۔ فلسطین کے موجودہ باشندے کنعانیوں کی نسل سے ہیں، اس کے بعد ان کے ساتھ بحر متوسط کے مشرق کی قومیں "بلست" یا "فلسطینی" اور دیگر عرب قبائل بھی ملتے گئے۔

یبوسی: جن عرب قبائل نے جزیرۃ العرب سے شمال کی جانب ہجرت کی ان میں یبوسی قبیلے نے بھی ہجرت کی، اور یہ قبیلہ القدس علاقے میں جا بسا، یہ القدس شہر کی

تعمیر سے پہلے کی بات ہے، اسی لئے القدس شہر کو ان کے نام سے موسوم کرتے ہوئے 'یبوس' بھی کہا گیا۔

فلسطین کے انہی اصل باشندوں کی اکثریت نے اسلام قبول کرلیا اور اسلام کی آمد کے ساتھ ان کی زبان بھی عربی ہو گئی، جس سے فلسطین کی اسلامی شناخت تاریخ کے طویل ترین اور مسلسل ادوار میں باقی رہی، جس کا زمانہ 15ھ 636م میں فلسطین کو مسلمانوں کے ذریعہ فتح کرنے سے لے کر اب تک کے زمانے تک ممتد ہے، وہاں کے حقیقی باشندوں میں سے ایک تعداد کو 1948ء سے قائم صہیونی سامراج کے ذریعہ جبری طور پر جلاوطن کر دینے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس سے ان کا حق ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اگرچہ فلسطین پر مختلف ادوار میں مختلف قومیں حکومت کرتی رہیں، البتہ وہاں کے باشندے ہی مسلسل بغیر کسی انقطاع کے اس کو آباد کرتے رہے۔

حضرت ابراہیم - علیہ السلام - فلسطین میں:

حضرت ابراہیمؑ عراق کے جنوبی شہر ''اُر'' سے آکر شام کے شہر ''حرّان'' سے گزرتے ہوئے (1805ق،م) انیسویں صدی ق،م کے اخیر میں سرزمین ''کنعان'' پہنچے، ابتدائی مرحلے میں آپ نے ''شکیم'' (نابلس) میں قیام کیا، اس کے بعد ''جبرون'' (الخلیل) شہر منتقل ہوئے، دورانِ سفر آپ کی ملاقات بیت المقدس کے کنعانی حاکم ''ملکی صادق'' سے ہوئی، ابراہیمؑ کے ساتھ سفر میں ان کے بھتیجے حضرت

لوطؑ بھی تھے جو 'اریحا' میں مقیم ہوئے اور ابراہیمؑ اور آپ کی زوجہ حضرت سارہ اور ان کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کی وفات الخلیل شہر میں ہوئی۔

فلسطین : حضرت داوٗد -علیہ السلام- کے عہد میں :

بارہویں صدی (ق،م) میں بنی اسرائیل ''یوشع بن نون'' کی قیادت میں فلسطین میں داخل ہوئے۔ کنعانیوں اور فلسطینیوں کے ساتھ ان کی جنگ ہوئی، گیارہویں صدی (ق، م) کے آخری تہائی میں ''شاول بن قیس'' (طالوت) نے بنی اسرائیل کی قیادت سنبھالی اور فلسطینیوں سے جنگ کی جن کی قیادت جالوت کر رہا تھا، جالوت کو اللہ کے نبی داوٗد علیہ السلام نے قتل کیا، طالوت کی وفات کے بعد داوٗد علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی قیادت سنبھالی اور فلسطینی سرزمین کے ایک حصّے پر مملکت قائم کی، ان کے بعد سلیمان علیہ السلام آئے جنہوں نے 963 ق،م سے لیکر 923 ق،م تک حکومت کی، ان کے عہد میں مملکت وسیع سے وسیع تر ہو گئی اور ان کی وفات کے بعد مملکت دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی: اسرائیل کی حکومت شمال ''السامرہ'' میں، اور یہوذا کی حکومت جنوب ''القدس'' میں۔

یہوذا اور اسرائیل کی مملکت کا زوال :

شاہِ مصر ''شیشنق'' نے یہوذا کی مملکت پر سن 920 ق،م میں حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ کر کے اس وقت سے اس کو مملکتِ مصر کے تابع کر دیا، سن 721 ق،م میں آشوریوں نے اسرائیل اور یہوذا دونوں کی مملکت پر حملہ کیا، ان پر قبضہ کر کے

ان پر جزیہ عائد کر دیا، اسرائیل نے بغاوت کی کوشش کی لیکن آشوریوں نے طاقت سے بغاوت کو کچل دیا اور وہاں کے اکثر باشندوں کو قیدی بنا کر عراق لے گئے۔

بابلی (عراقی) دور حکومت:

'بخت نصر کلدانی' نے سن 597 ق، م میں فلسطین پر حملہ کر دیا اور یہوذا کے دار السلطنت القدس پر قبضہ کر لیا، بادشاہ، اس کے خاندان اور اس کے امراء کو قیدی بنا کر عراق لے گیا اور القدس میں نیا بادشاہ مقرر کر دیا۔ سن 586 ق، م میں یہود کے باقی ماندہ لوگوں نے بابل (عراق) کے بادشاہ کے خلاف فلسطین میں بغاوت کی کوشش کی، بخت نصر نے دوبارہ فلسطین پر حملہ کر دیا، اس مرتبہ اس نے القدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور عربی کنعانی فلسطین عراق کے تابع ہو گیا، جو شام اور جزیرۃ العرب کے عرب مہاجرین کی پناہ گاہ بن گیا۔

"آشوریوں" اور "کلدانیوں" کے مسلسل حملوں کی وجہ سے فلسطین میں یہود کی حکومت بالکل ختم ہو گئی، جبکہ چار صدیوں (1000-586 ق.م) تک ان کی حکومت برقرار رہی، جو اختلافات، جنگوں اور اضطرابات اور انتشار سے بھرپور رہی۔

فلسطینی تاریخ کے ادوار میں سے یہ دور اہم سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس دور کو یہودی اپنے اس دعوی کے لئے بنیاد بناتے ہیں کہ وہ فلسطین کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، اسی لئے فلسطین کو وہ 'ارض المیعاد' کہتے ہیں۔

فارسی دورِ حکومت: ایرانیوں نے سن 539 ق،م میں فلسطین پر حملہ کیا اور "بابل" عراق پر قبضہ کرنے کے بعد فلسطین پر بھی قبضہ کر لیا، اور فلسطین مسلسل دو

صدیوں تک فارسی (ایرانی) حکومت کے تابع رہا، انہی کے عہد حکومت میں (یہوذا) قبیلے کے باقی ماندہ لوگ ایرانی بادشاہ ''قورش ثانی'' کی مدد سے القدس واپس آگئے۔

قورش کا یہود کو دوبارہ بسانا

قورش کا خیال تھا کہ فلسطین میں یہود کی موجودگی سے فراعنہ مصر کے تئیں تائید کرنے والے باشندوں میں توازن پیدا ہوگا، لہٰذا احسان شناسی کے طور پر یہود نے بابلیوں کے خلاف اس کی مدد کی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی بیوی یہودیہ تھی اور اسی نے اس کو فلسطین میں یہود کو دوبارہ بسانے پر آمادہ کیا۔

یونانی دورِ حکومت:

ایرانیوں پر ''سکندرِ اعظم'' کی فتح چوتھی صدی ق،م کے اہم ترین واقعات میں شمار کی جاتی ہے، کیونکہ اس نے شام، غزہ اور القدس پر بھی قبضہ کرلیا اور ان سب کو سن 332 ق،م میں یونانی سلطنت میں ضم کردیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کی سلطنت اس کے جنرلوں میں تقسیم ہوگئی، فلسطین جنرل 'انٹیخیس' کے کنٹرول میں تھا، جس کو سن 321 ق،م میں 'بطالمہ' نے غزہ میں شکست دی تھی۔

اس وقت سے فلسطین سن 198 ق.م میں ''انٹیخیس ثالث'' کی شام میں حکومت کے تابع ہوگیا۔

اس کے بعد فلسطین ''کبطی'' اور انباط جیسی متعدد حکومتوں کے ذریعہ خطرناک جنگوں کا میدان بنا رہا اور ان کے دارالسلطنت ''البتراء'' کے تابع رہا، یہاں تک کہ رومیوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔

رومی دورِ حکومت:

رومیوں نے فلسطین پر قبضہ کیا، اس کو پہلے رومی سلطنت میں شامل کر کے "روم" کے تابع بنا دیا، اس کے بعد ساتویں صدی کے نصف تک بیز نطینی سلطنت کے تابع کر دیا، پھر جب عرب مسلمانوں نے اس کو فتح کیا تو وہ عربی سلطنت کا ایک جزء بن گیا۔ رومی دورِ حکومت میں ہی فلسطین میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی ولادت ہوئی، لیکن یہودیوں نے سن 37ء میں رومی بادشاہ کے پاس ان کے بارے میں شکایت کی اور ان پر کفر کا الزام لگایا، اس کے بعد ہی صلیب پر چڑھانے اور ان کو قتل کرنے کا واقعہ پیش آیا جیسے کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔

یہودی بغاوت:

یہودیوں کو بابلی (عراقی) قید سے آزاد ہو کر القدس واپس آنے کے بعد جو مذہبی آزادی دی گئی تھی انہوں نے اس آزادی کو اپنی ایک مخصوص حکومت قائم کرنے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا، لیکن رومی بادشاہ 'طیطس' نے عرب ممالک کے باشندوں کی مدد سے سن 71م میں ان پر حملہ کیا اور القدس پر قبضہ کر لیا، اور اس سے پہلے کہ یہود شام، مصر اور دیگر عرب ممالک کی جانب بھاگتے، ان کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔

رومی بادشاہ ہادریان کا حملہ:

فلسطین میں یہودی حکومت قائم کرنے کی آخری کوشش سن 135م میں ہوئی جب کہ یہودی حاخامات میں سے ایک 'بارخوخبا' نامی حاخام نے بغاوت کی قیادت شروع

کردی، اس کے نتیجے میں رومی بادشاہ ”ہادریان“ نے ان پر حملہ کردیا اور القدس میں یہودی علاقے پر قبضہ کرکے اس کو تباہ کردیا اور اس جگہ ایک نیا شہر بسایا جس میں یہودیوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا۔

اس واقعہ کے بعد یہود نے فلسطین میں کبھی کسی بغاوت کی کوشش نہیں کی، یہاں تک کہ بیسویں صدی کا زمانہ آگیا جس کے وسط میں ”اسرائیلی“ ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا، جبکہ ”بخت نصر“ کے ذریعہ سن 586 ق،م میں ان کی حکومت کے خاتمے کو اب تک دو ہزار سے زائد سال گزر چکے تھے۔

ڈاکٹر محسن صالح لکھتے ہیں: ” فلسطین کی سرزمین کے لئے ہر مسلمان کے دل میں ایک عظیم مقام ہے، وہ قرآن کریم کے واضح نصوص کی بنیاد پر مقدس اور مبارک سرزمین ہے، اسی میں مسجد اقصیٰ ہے جو مسلمانوں کا قبلۂ اولیٰ اور روئے زمین پر بنائی جانے والی دوسری مسجد ہے، اسلام میں مقام و مرتبہ کے اعتبار سے تیسری مسجد ہے، وہ اسراء و معراج کی سرزمین ہے، اسی کی جانب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج میں پہلے مرحلے میں سفر کرایا گیا، وہ انبیاء کی سرزمین ہے، اسی سرزمین پر قرآن میں مذکور بہت سے انبیاء کی ولادت ہوئی، وہیں انہوں نے زندگی بسر کی، اور وہیں مدفون ہیں، وہ محشر (حساب و کتاب) اور منشر (دوبارہ اٹھائے جانے) کی سرزمین ہے، احتساب کی نیت سے وہاں رہنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے، وہی سرزمین اس گروہ کا مرکز ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشن گوئی فرمائی ہے کہ وہ غالب رہے گا اور قیامت تک حق پر ثابت قدم رہے گا۔

فلسطین: عہد اسلامی کے آغاز سے صلیبیوں کے حملے تک

فلسطین کی اسلامی فتح

خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے رومیوں کے زیرِ کنٹرول شام کو فتح کرنے کے لئے سن 633م میں کئی لشکر روانہ کئے جن کی قیادت حضرت عمرو بن العاص، یزید بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح -رضی اللہ عنہم -نے کی، یزید نے بحر میت کے جنوب میں واقع وادی عربہ میں رومیوں کو شکست دی اور غزہ تک ان کا تعاقب کیا، یہ سن 634م کی بات ہے۔

فلسطین مختلف ادوار میں اضطرابات کا شکار رہا یہاں تک کہ خلیفۂ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد میں مسلمانوں نے اس کو فتح کیا اور حضرت عمرؓ نے اس وقت عیسائیوں کے لئے ایک معاہدہ لکھا، اور یہ ہدایت کی کہ مقدس شہر ‘القدس’ میں کوئی یہودی آباد نہیں ہو گا۔

اجنادین کا معرکہ (31ھ/416م):

سن 634م میں ‘اجنادین’ کے معرکہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ کو رومیوں کے مقابلہ میں اہم کامیابیاں ملیں، انہوں نے ‘فحل’ ‘بیسان’ ‘لد’ اور ‘یافا’ کو فتح کیا، اور جب رومن امپائر ‘ہرقل’ کا بھائی ‘تھیوڈورس’ نے رومی فوج کی قیادت سنبھالی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے قائد حضرت خالد بن ولیدؓ کو عراق سے فلسطین کی جانب رخ کرنے کا حکم دیا۔

یرموک کا معرکہ (51ھ/636م):

جب خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات ہوئی اور آپؓ کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ نے خلافت سنبھالی تو انھوں نے فلسطین میں موجود اسلامی فوجوں کو فتح کے حصول تک معرکہ جاری رکھنے کا حکم دیا، اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو حکم دیا کہ تمام اسلامی فوجوں کو ایک ہی جھنڈے تلے جمع کرکے ایک ہی لشکر تشکیل دیں۔

یرموک میں حضرتِ خالدؓ کا رومیوں کے ساتھ سخت معرکہ ہوا جس کے نتیجے میں فلسطین کی تاریخ میں مسلمانوں کو ایک فیصلہ کن فتح وکامیابی نصیب ہوئی، کیونکہ اس کے ذریعہ تمام رومیوں کو فلسطین سے باہر کردیا گیا۔

حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کی جانب سفر:

سن 636م–15ھ میں بلاد شام میں مسلمانوں کو رومیوں پر معرکۂ یرموک میں کامیابی ملی، غزہ، نابلس، لد، یافا، رفح اور دیگر شہروں کو فتح کیا گیا، عیسائی القدس میں قلعہ بند ہوگئے۔

چار ماہ تک القدس کا محاصرہ کیا گیا، یہاں تک کہ مسلم فوج کے قائد حضرت ابو عبیدہؓ نے ان پر فتح حاصل کی اور رومیوں نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، بطریرک ’صفرونیوس‘ نے یہ شرط لگادی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطابؓ بذاتِ خود شہر قدس کی چابی لیں، القدس کو اس وقت ’ایلیاء‘ کہا جاتا تھا، حضرت عمرؓ بذاتِ خود فلسطین تشریف لائے اور عیسائیوں کے لئے عہد نامہ تحریر فرمایا (جس کو معاہدۂ عمریہ کا نام دیا

گیا) اس میں ان کے گرجا گھروں اور عبادت گاہوں کی حفاظت کی ذمہ داری لی اور یہ شرط لگادی کہ اس مقدس شہر میں یہودیوں میں سے کوئی آباد نہیں ہوگا۔

اسی وقت شام، حجاز، نجد اور یمن سے مختلف عربی قبائل فلسطین کی جانب امنڈ آئے اور انہوں نے فلسطینی سرزمین میں سکونت اختیار کی جس کی وجہ سے وہاں اکثریت مسلمانوں کی ہو گئی اور عربی زبان ہی وہاں کی رائج الوقت زبان بن گئی۔

بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کے داخلے کی کیفیات

حضرت عمرؓ اس وقت کے امیر المؤمنین تنہا اپنے ایک غلام کے ساتھ ایک اونٹ پر بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہوئے، حضرت عمرؓ اور ان کا غلام باری باری اس پر سوار ہوتے، حضرت عمرؓ اگر چاہتے تو ایک عظیم لشکر کے ساتھ بیت المقدس کی طرف نکلتے، لیکن انہوں نے دنیا کے دوسرے بادشاہوں کو تواضع اور خوفِ الٰہی کا درس دینا چاہا۔

جب حضرت عمرؓ اور ان کے غلام بیت المقدس پہنچے اس وقت اونٹ پر سوار ہونے کی باری غلام کی تھی، غلام نے چاہا کہ امیر المؤمنین ہی سوار ہوں تا کہ لوگ ان کو سوار دیکھیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور القدس میں پیدل داخل ہوئے جب کہ غلام سوار تھا۔

جب مسلمانوں نے ان کو دیکھا تو تکبیر و تہلیل کے ذریعہ ان کا استقبال کیا، اور جس پہاڑ کے پاس حضرت عمرؓ نے تکبیر کہی اس کو بعد میں 'جبل الکبر' (تکبیر والا پہاڑ) کا نام دیا گیا۔

امیر المؤمنین لشکر سے قریب ہوئے تو اس وقت ان کے جسم پر معمولی کپڑے تھے جو بعض جگہوں سے پھٹے تھے، عیسائی القدس کی دیواروں سے اس عجیب منظر کو دیکھنے لگے اور وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہ اس لشکرِ جرار کے امیر المؤمنین ہیں!۔

اس کے بعد امیر المؤمنین ایسی سر زمین سے گزرے جہاں کیچڑ تھی، غلام نے دوسری مرتبہ چاہا کہ امیر المؤمنین کو اونٹ پر سوار کریں تا کہ ان کے کپڑوں کو کیچڑ نہ لگے، حضرت عمرؓ نے اس سے کہا: سوار ہو جاؤ، غلام سوار ہوا اور حضرت عمرؓ اونٹ کی لگام پکڑے ہوئے آگے چل رہے تھے، اپنے جوتے نکالے اور ہاتھ میں اٹھالئے، لوگ تعجب کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

حضرت ابو عبیدہؓ سے یہ منظر دیکھا نہیں گیا اس لئے انہوں نے امیر المؤمنین سے عرض کیا: امیر المؤمنین! آج آپ نے یہاں کے لوگوں کے سامنے عجیب کام کیا ہے، آپ نے ایسے ایسے کیا! یہ سن کر حضرت عمرؓ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور کہا: کاش تمہارے علاوہ کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی! تم لوگ دنیا میں سب زیادہ ذلیل، سب سے زیادہ حقیر اور سب سے کم تعداد میں تھے، اللہ نے آپ کو اسلام کے ذریعہ عزت عطا کی، لہٰذا جب بھی تم اسلام کے علاوہ اور کسی چیز کے ذریعہ عزت تلاش کروگے تو اللہ تم کو ذلیل کردے گا۔

حضرت عمرؓ نے اہلِ قدس کو امان عطا کی، ان کو اپنے طریقہ پر عبادت کرنے کی اجازت دی، ان کے گرجا گھروں اور عبادت گاہوں کو مامون قرار دیا، اس طرح القدس نے اپنی تاریخ کا سب زیادہ رحم دل فاتح دیکھا، اس موقع پر کیا گیا معاہدہ 'عہدۃ عمریہ' کے نام سے معروف ہوا، حضرت عمرؓ نے مسجد اقصی میں نماز ادا کی جب کہ اس کو ہر قسم کی گندگی سے پاک کیا گیا، مسجد اقصی میں مسلمانوں کی یہ اس وقت سب سے پہلی نماز تھی، اس میں حضرت عمرؓ نے سورۂ ص اور سورۃ الاسراء پڑھی۔

معاہدہ عمریہ

✍ “بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا گھر، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے، اس طور پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو یا ان کے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہیں رہنے پائیں گے، ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ دوسرے شہروں میں بسنے والوں کی طرح جزیہ دیں اور رومیوں، اور ڈاکوؤں کو نکال دیں، ان رومیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا ان کی جان اور مال کو امن ہے تاآنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے، اور جو ایلیا میں ہی اقامت اختیار کرے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا۔ اور ایلیاء والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لیکر رومیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ جائے پناہ تک پہنچ جائیں، اور جو یہاں فلاں کے قتل سے پہلے آباد تھا جن کی یہاں پر زمینیں ہیں تو ان میں سے جو چاہے رک جائے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا، اور جو چاہے رومیوں کے ساتھ چلا جائے، اور جو چاہے اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ آئے، ان سے اس وقت تک کوئی چیز نہیں لی جائے گی یہاں تک کہ وہ اپنی فصل کاٹ لیں۔

جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر اللہ کا، اللہ کے رسول ﷺ کا، خلفاء کا، اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشر طیکہ یہ لوگ جزیۂ مقررہ ادا کرتے رہیں”۔

اس تحریر پر گواہ ہیں: خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ۔ یہ معاہدہ 15ھ میں تحریر کیا گیا[1]۔

---

[1] بحوالہ: تاریخ الامم والملوک، للطبری، ص628-629

عہد اموی اور عہد عباسی

عہدِ اموی (63-311ھ/ 443-057م):

مسجد اقصی کی ترمیم:

129 ھجـ / 747م :

مذکورہ سن میں مسجد اقصی کو وہاں آنے والے زلزلے کی وجہ سے نقصان پہنچا، مسلمانوں نے بہت جلد اس میں ترمیم کی، البتہ یہ معمولی اور وقتی ترمیم تھی۔

عہدِ اموی میں فلسطین دمشق کے تابع تھا جس کا حاکم سلیمان بن عبدالملک تھا، اس عہد کے اہم آثار میں ”قبۃ الصخرۃ“ ہے جس کو عبدالملک بن مروان نے اس جگہ بنوایا جہاں سے نبی کریم ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا، اسی طرح مسجد اقصیٰ میں مزید تعمیری کام کی تکمیل ولید بن عبدالملک نے کی اور وہی تعمیر آج تک قائم ہے، ’رملہ‘ شہر بھی اسی دور کی یادگار ہے جس میں سلیمان بن عبدالملک نے اپنا مشہور محل اور مسجد ابیض بنوائی۔

عہد عبّاسی (531-616ھ/017-5111م):

فلسطین اموی سلطنت کے خاتمے کے بعد عباسی سلطنت کے تابع ہوا، خلیفہ ہارون رشید اور ان کے بیٹے مہدی نے وہاں کا سفر بھی کیا، عباسی عہد میں تعریب (عربی ثقافت کی ترویج) کا عمل مزید بڑھ گیا اور عرب فاتحین اور عرب ممالک کے باشندوں کے ساتھ وہاں کے لوگوں کے قریبی تعلقات کے زیرِ سایہ جدید نسلیں پروان چڑھیں۔

طولونی اور قرامطہ عہد حکومت(121–156ھ/ 275–103م):

طولونی عہد حکومت:

تیسری صدی ہجری میں فلسطین کے بہت سے علاقوں پر عباسی حکومت کے کنٹرول میں کمزوری کی وجہ سے "احمد بن طولون" کی قیادت میں لبنان، شام، مصر اور فلسطین پر طولونی قبضہ کرنے پر قادر ہو گئے، ان کے عہد کے مشہور آثار میں "عکا" کی بندرگاہ کو قلع بند بنانا ہے۔

طولونی سلطنت

طولونی در حقیقت ترکی الأصل ہیں، اور طولونی سلطنت وہ پہلی ترکی سلطنت ہے جو مصر اور سرزمین شام میں قائم ہوئی، جس کا بانی **"أحمد بن طولون"** ہے۔

قرامطہ:

مؤرخین چوتھی صدی ہجری کو سیاسی اضطرابات و انتشار کی صدی سمجھتے ہیں، خلیج عربی سے آنے والے قرامطہ نے سرزمینِ شام پر حملہ کر دیا، فلسطین میں خطرناک تخریب اور تباہی کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔

جب امت مسلمہ کو کمزوری، آپسی خلفشار اور انتشار لاحق ہوا تو یہ ہر چہار جانب سے اس پر دشمنوں کی یلغار کا سبب بنا۔

اس کے بعد فلسطین پر متعدد حکومتیں قابض ہوتی رہیں۔ اخشیدی، سلاجقہ اور فاطمی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، حقیقتاً یہ انارکی و انتشار کی صدی تھی۔

قرامطہ:

ایک شیعہ باطنی فرقہ ہے۔ ۲۹۰ھ-۹۰۳م میں ”حمدان بن قرمط“ نے عراق میں اس کی بنیاد ڈالی، اسی کی جانب قرامطہ کو منسوب کیا جاتا ہے، قرامطہ کا لفظ آرامی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے: خفیہ معلم، ان کی بنیاد خفیہ عسکری تنظیم پر ہے، ظاہری طور پر اہل بیت کی طرف داری اور تشیع تھا، جبکہ فی الحقیقت اس کا ہدف اسلامی حکومت کو ختم کرنا تھا۔

اخشیدی سلطنت:

یہ سلطنت محمد بن عبداللہ بن طغج، لقب اخشید کی جانب منسوب ہے، اخشید کا مطلب ہے: بادشاہوں کا بادشاہ، اس کا نسب جف فرغانی سے ملتا ہے، جس کا تعلق وسط ایشیا میں طاجکستان کے فرغانہ بادشاہوں کی نسل سے ہے۔ اخشیدی سلطنت نے شام و مصر پر حکومت کی ہے۔

سلجوقی سلطنت:

سلاجقہ کا سلسلہ غزیۃ قبیلے سے جا ملتا ہے اور سلجوق بن دقماق کی جانب یہ منسوب ہیں، سلجوق اپنے باپ کا جانشین بنا اور وسیع الاطراف سلطنت کی بنیاد ڈالی جس میں عراق، ایران، شام اور ایشائے صغری شامل تھا۔

فلسطین: صلیبی دور سے عہدِ عثمانی کے اخیر تک

فلسطین پر صلیبیوں کا قبضہ:

قرونِ وسطی میں مغربی یورپ نے مشرق پر چڑھائی کی، اور اس کے لئے انہوں نے بہت سی فوجیں روانہ کیں، انھیں میں کچھ فوجوں کو شام کی جانب روانہ کیا جس کے نتیجے میں پہلا، دوسرا، تیسرا، چھٹا اور ساتواں صلیبی حملہ ہوا۔

گیارہویں صدی عیسوی کے اخیر میں مغربی سامراج نے دوبارہ فلسطین کا رخ کیا، اس وقت یورپ بہت سے سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل سے دوچار تھا، خام مال کی عدم دستیابی، آبادی میں اضافہ، شاہوں اور فوج کے مابین، اور پوپ اور بادشاہوں میں اختلافات، اس لئے مشرق پر حملہ تمام گروہوں کے لئے ایک آسان حل تھا۔

۱۰۹۵ء میں پوپ "اوربان دوم" کی تقریر سے اشتعال انگیزی کا کام شروع ہوا، جس میں اس نے عوام سے مطالبہ کیا کہ مسیح علیہ السلام کی مقدس قبر کو مسلمانوں کے قبضہ سے آزاد کرانا اور ان سے القدس کو پاک کرانا ضروری ہے.

اس کے نتیجے میں "پطرس الناسک" نے اولین عسکری حملوں کی قیادت کی جو دو صدیوں تک جاری رہے، یہی صلیبی حملوں کے نام سے معروف ہیں، اس لئے کہ ان میں صلیب کو شعار بنایا گیا تھا۔

”پطرس“ نے ’رملہ‘ شہر پر قبضہ کر لیا، ’یافا‘ کو تہس نہس کر دیا، اتنی فوج کے ساتھ القدس کا محاصرہ کیا جس کی تعداد کا اندازہ چالیس ہزار کا لگایا جاتا ہے، محاصرہ کے ایک ماہ بعد وہاں موجود مصری فوجی دستے نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور پھر ۱۰۹۹ء میں صلیبی القدس میں داخل ہوگئے اور داخل ہوتے ہی وہاں کے عرب باشندوں کی ایک بڑی تعداد کا قتل عام کر دیا، اکثر تاریخی کتب میں مقتولین کا اندازہ ستر ہزار تک لگایا گیا ہے۔

> کاہن ”ریمون“ نے اس قتل عام کے ایک عینی شاہد کے حوالے سے نقل کیا ہے جس کا کہنا تھا کہ ”میں لاشوں کے درمیان بہت مشکل سے راستہ بنا کر آگے بڑھ سکا یہاں تک کہ خون گھٹنوں تک پہنچ گیا تھا“۔
>
> گو ستاؤ لوبن نے بھی ”ڈو ہمن“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ”باقی قیدیوں کو ہانک کر لے جایا گیا اور شاہی محل میں ان سب کو جمع کیا گیا۔ ان میں اکثریت بچوں، عورتوں، بوڑھی عورتوں اور بزرگوں کی تھی، عیسائی حاکم نے بچوں، عورتوں اور مردوں کو ذبح کرنے، نوجوانوں کو زندہ رکھنے کا حکم دیا، پھر ان سب کو غلام بنا کر انطاکیہ پہنچایا گیا جہاں ان کو بیچ دیا گیا“۔
>
> ’گوستاؤ لوبن‘ نے اس واقعہ کو ’ریمون دجلس‘ کے حوالے سے بیان کیا ہے جو اس قتل عام کا عینی شاہد ہے، وہ خود اس بات کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہماری قوم نے ہیکل سلیمانی کے لئے خون بہانے میں نہایت زیادتی سے کام لیا، یہاں تک کہ لاشیں خون پر بہہ رہی تھیں اور کٹے ہوئے ہاتھ پیر خون میں تیر رہے تھے اور فوجی لاشوں سے نکلنے والی بدبو کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔

صلیبیوں نے القدس میں لاطینی سلطنت کے قیام کا اعلان کر دیا اور ’عسقلان‘ ’بیسان‘ ’نابلس‘ اور ’عکا‘ کو اپنے زیرِ نگیں کرکے ’طبریا‘ کو اپنا مرکز بنا لیا۔

صلیبیوں کے دورِ اقتدار کے دوران فلسطین بیت المقدس کی حکومت کے زیر کنٹرول تھا، جو شمال میں بیروت، جنوب میں رفح، مشرق میں اردن اور شام (بانیاس) کے ایک حصہ پر مشتمل تھی، اس حکومت کو باری باری مختلف صلیبی بادشاہ سنبھالتے رہے، جن کی تعداد نو بادشاہوں تک پہنچتی ہے۔

فلسطین: عہد ایوبی میں (583-658ھ/1187-1260م)

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے سن 565ھ/ 1171م میں مصر میں فاطمی سلطنت کا خاتمہ کر دیا، عمادالدین زنگی اور ان کے بیٹے نورالدین زنگی نے ان کے ساتھ مل کر صلیبیوں کے خلاف محاذ قائم کیا، اس کے لئے انھوں نے شام اور مصر کو متحد کیا اور صلیبیوں سے جنگ شروع کر دی اور ”معرکۂ حطین“ میں سن 511ھ/3310م میں ان کے خلاف کامیابی حاصل کی۔ ”معرکۂ حطین“ میں فتح کے بعد القدس شہر کو بروز جمعہ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ مطابق ۲؍ اکتوبر ۱۱۸۷م کو صلیبیوں سے واپس لے لیا گیا، وہاں ایوبی فوجیں داخل ہو گیں اور مسجد اقصیٰ میں نماز قائم کی گئی اور خود صلاح الدین ایوبیؒ نے مسجد قبۃ الصخرۃ میں نماز ادا کی، جب کہ پہلے اس کو دھویا گیا اور پاک کیا گیا۔

ان اہم واقعات کے بعد صلیبیوں نے انگلینڈ کے بادشاہ ”ریچرڈ قلب اسد“ جرمن امپائر ”فریڈریک بربروسا“ اور شاہ فرانس ”فیلب اغسطس“ کی قیادت میں تیسرا صلیبی حملہ کیا، اس حملے کے نتیجے میں ”عکا“ اور دوسرے چند فلسطینی شہر مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے، یہاں تک کہ ’ریچرڈ‘ القدس کے قریب پہنچ گیا اور اپنی فوج کے ساتھ ”بیت نوبا“ شہر میں پڑاؤ ڈالا، وہاں وہ سخت بیمار ہوا، اس کے درمیان اور مسلمانوں کے درمیان بات چیت ہوئی جس کے نتیجے میں ”رملہ معاہدہ“ ۵۸۸ھ ۱۱۹۲م میں طے پایا۔

صلاح الدین ایوبیؒ کی سیرت کا مختصر خاکہ

صلاح الدین ایوبیؒ سن ۵۳۰ ھ۔ ۱۱۳۷م میں عراق کے تکریت علاقے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد قلعہ تکریت کے والی تھے۔ وہ بچپن ہی میں مصر میں وزارت کے عہدے پر فائز ہوئے، وہ "المدرستہ الاصلاحیۃ" سے فارغ ہوئے جس میں نور الدین زنگیؒ اور عمادالدین زنگیؒ نے تربیت پائی، آپ صحیح العقیدہ، اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے، باجماعت نماز کی پابندی کرنے والے، اور سنن و نوافل کا بہت زیادہ اہتمام کرنے والے تھے، رات میں قیام فرماتے، قرآن سننا پسند کرتے، نماز میں امامت کے لئے خود امام منتخب کرتے، حسین آواز والے، عمدہ سیرت والے انسان کو تلاش کرکے منتخب کرتے، رقیق القلب، خوف خدا کی وجہ سے آنسوں بہانے والے، اوررحمت و رقت کی صفات سے متصف تھے، یہ صفات معرکوں میں واضح طور پر ظاہر ہوئیں، جب قرآن سنتے تو آنکھیں اشکبار ہوجاتیں، حدیث سننے کے بہت شوقین تھے، اللہ کے شعائر کی بہت زیادہ تعظیم کرنے والے، اللہ سے حسنِ ظن رکھنے والے، اللہ پر بہت زیادہ اعتماد و بھروسہ کرنے والے، حسنِ سلوک کرنے والے، عادل، انصاف پرور، لوگوں کے ساتھ نہایت شفقت کا معاملہ کرنے والے، رحم دل، مظلوموں اور بے کسوں کی مدد کرنے والے تھے، سخاوت و کرم میں بہت آگے تھے، نرم مزاج، پاکیزہ مجلس والے، اچھی بات کرنے والے تھے، اپنے سامنے کسی کی برائی ہوتے ہوئے پسند نہیں کرتے تھے، غیبت اور چغلی کی سخت نکیر کرتے تھے، سماعت بھی پاکیزہ تھی، زبان بھی اور قلم بھی۔

صلیبی جنگوں کے اسباب و مقاصد اور نتائج

بابا ''اور بان ثانی'' نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا اعلان کیا اور یہ 1088 م/480ھ کی بات ہے جب کہ یہ افواہیں عام ہو گئیں کہ مسلمانوں نے بیت المقدس کی جانب جانے والے عیسائی زائرین کو پریشان کیا ہے اور مسلمانوں نے مسیح علیہ السلام کی قبر کی بے حرمتی کی ہے۔

بابا 'اور بان ثانی' کی قیادت میں سن ۱۰۹۶ م۔ ۴۸۸ ھ میں ایک اہم میٹنگ کی گئی جس میں بابا نے بیت المقدس پر قبضے کے لئے ایک عیسائی فوج تشکیل دینے کی دعوت دی، یورپ کے اکثر ممالک سے صلیبی حملوں کے لئے زبردست تحریک شروع ہوئی۔

صلیبی جنگوں کے جو اسباب تھے وہ مختصرا مندرجہ ذیل ہیں:

- مذہبی جذبات اور القدس کے مقدس مقامات کو آزاد کرنے کا جذبہ۔
- یورپ میں ایک طبقہ نہایت غریبی اور مفلوک الحال زندگی بسر کر رہا تھا، فوج میں شامل ہو کر اچھی زندگی گزارنے اور ترقی یافتہ ممالک میں داخل ہونے کا اس کو ایک اچھا موقع ہاتھ آیا۔
- عیسائی پادریوں اور مذہبی پیشواؤں نے لوگوں کو فکری اور مذہبی اعتبار سے اس بات پر آمادہ کیا کہ ان کے مقدسات پر ناجائز قبضہ کرنے والوں کے خلاف جنگ ضروری ہے۔
- 'بابا اور بان' اور اس کے ہمنواؤں کو یہ امید تھی کہ یورپ کے آرتھوڈکس اور کیتھولک طبقوں کو متحد کرنے کا یہ ایک اچھا ذریعہ ہے۔

آہستہ آہستہ پورے یورپ کی یہ فوجیں بلاد شام کی جانب بڑھتی رہیں اور راستے میں جو بھی شہر آتے ان پر قبضہ کرکے وہاں اپنی فوج کا ایک حصہ چھوڑ کر آگے بڑھتے رہے، انطاکیہ، طرابلس، بیروت، صیدا پر قبضہ کرکے بیت المقدس پہنچ گئے۔

۱۰۹۹ام/۴۹۲ ھ میں بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے میں چلا گیا، مسجد اقصیٰ میں خوفناک قتل عام کا واقعہ پیش آیا جس میں صلیبیوں نے بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور نوجوانوں میں کوئی فرق نہیں کیا، کاہن ریمون کے بقول: ہماری قوم نے ہیکل سلیمانی کے لئے خون بہانے میں نہایت زیادتی سے کام لیا، یہاں تک کہ لاشیں خون پر بہہ رہی تھیں اور کٹے ہوئے ہاتھ پیر خون میں تیر رہے تھے اور فوجی لاشوں سے نکلنے والی بدبو کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔

اس قتل عام کے بعد صلیبیوں نے مسجد اقصی کو کئی حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصے کو گرجا گھر بنایا، ایک حصے کو فوج کے رہنے کی جگہ بنایا، ایک حصے کو سامان رکھنے کا اسٹور بنایا، اور ایک حصے کو گھوڑوں کا اصطبل بنایا۔

بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ 1099–1187م/492ھ–583ھ تک رہا۔

* * *

فلسطین: ممالیک کے دورِ اقتدار میں

(658-922ھ/ 1260-1516م)

سیف الدین قطز اور ظاہر بیبرس کی قیادت میں ممالیک سرزمین فلسطین میں ”عین جالوت“ کے معرکہ میں داخل ہوئے۔ ”عین جالوت“ بیسان کے قریب جنین کے شمال مشرق میں واقع ہے، عین جالوت کا معرکہ بروز جمعہ ۲۰ رمضان ۶۵۸ھ/۱۲۶۰ء میں پیش آیا، اس معرکہ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جس نے اس علاقہ میں مغلوں کی پیش قدمی کو اور دخل اندازی کو روک دیا۔

ممالیک کے آثار میں سے جو اب بھی فلسطین میں موجود ہیں: بعض عمارتیں، مدارس اور ”لد“ کے قریب پل کی تعمیر ہے، انہوں نے ہی مسجد قبۃ الصخرۃ اور مسجد ابراہیمی میں ترمیم کا کام کیا۔

فلسطین عہد عثمانی میں

عثمانیوں نے سن ۱۵۱۶ء میں ”حلب“ کے قریب ”مرج دابق“ کے معرکہ میں ممالیک پر فتح حاصل کی، وہ فلسطین میں داخل ہوئے اور پھر وہ اس وقت سے لیکر چار صدیوں تک عثمانی سلطنت کے زیر کنٹرول رہا۔

سلطان عبدالحمید ثانیؒ کی حکومت:

سلطان عبدالحمید ثانیؒ نے عثمانی سلطنت سنبھالی، انہوں نے حکومت کو منظّم کیا اور عثمانی دستور بنایا، پارلیمنٹ کا نظام تشکیل دیا، شوریٰ قائم کی، عربوں کو حکومت میں شریک کیا، لیکن اصل کنٹرول ترکوں کے ہاتھ میں ہی رہا۔ یہودیوں کی فلسطین کی جانب

مسلسل ہجرت کو روکنے میں ان کا اہم رول رہا ہے، کیونکہ انہوں نے ایک ایسا قانون بنایا جس کے مطابق عثمانی سرزمین کی جانب یہودیوں کی اجتماعی ہجرت ممنوع قرار دی گئ تھی، ان میں سے زائرین کی حیثیت سے آنے والوں کو فلسطین میں تین ماہ سے زائد اقامت اختیار کرنے کو بھی ممنوع قرار دیا تھا، یہ قانون انفرادی طور پر آنے والوں کے لئے بھی تھا۔

جب عثمانی یونانی جنگ کا آغاز ہوا اور عثمانی حکومت کمزور پڑ گئ اس وقت ہرزل نے یورپ کے لاکھوں یہودیوں کو متحرک کیا اور ’’فیینا‘‘ میں عثمانی سفیر کے ذریعہ سلطان عبدالحمید ثانیؒ کو یہود کی جانب سے بہت بڑے لالچ کی پیشکش کی گئ تاکہ یہود کو فلسطین کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت مل جائے، لیکن سلطان عبدالحمید کا جواب نہایت واضح اور دوٹوک تھا، انہوں نے ہر قسم کی پیشکش کو یہ کہتے ہوئے ٹھکرادیا:

’’میں فلسطین کی ایک بالشت مٹی سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتا ہوں، اس لئے کہ یہ میری ملکیت نہیں بلکہ میری قوم کی ملکیت ہے، میری قوم نے اس سرزمین کے لئے قربانیاں دی ہیں اور اپنے خون سے اس کو سیراب کیا ہے‘‘۔

اسی وقت سے پھر تھیوڈر ہرزل خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے لئے فکر مند ہوا اور اس کے خواب دیکھنے لگا۔

انجمن اتحاد وترقی کا قیام اور سلطان کی معزولی

سلطان عبدالحمید ثانیؒ کے ردّ عمل سے یہود پریشان اور آپے سے باہر ہو گئے، اس لئے انہوں نے ان کے خلاف سازشوں کا جال بننے اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا منصوبہ بنایا جس کے نتیجہ میں ترکی کے اندر سے ہی ایک ترکی انجمن بنام ’’انجمن اتحاد وترقی‘‘ کے ذریعہ کوشاں ہو گئے، اس انجمن کے لیڈروں میں ’’مصطفیٰ کمال اتاترک‘‘ بھی تھا، جو

غازی کے لقب سے معروف تھا اور وہ دردنیل کے معرکوں میں پہلی جنگ عظیم کے دوران مشہور ہوا۔

یہ انجمن ترکی کی پارلیمنٹ کے توسط سے اس بات پر قادر ہو گئی کہ عثمانی لیڈروں کی ایک تعداد کو اپنے ساتھ شامل کر لیا، قلیل مدت کے بعد یہ اقتدار تک پہنچ گئی اور سلطان عبدالحمید ثانیؒ کو معزول کرنے میں کامیاب ہو گئی اور ان کے بعد انجمن اتحاد وترقی اقتدار پر براجمان ہو گئی۔

خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ اور مسئلۂ فلسطین

یہودیوں کی ہجرت کے بارے میں عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید ثانیؒ کے موقف اور یہودیوں کی پیشکش کو ٹھکرا دینے سے یہ بات مؤکد ہوتی ہے کہ عثمانی حکومت فلسطین پر کسی کو ناجائز قبضہ کرنے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھی، لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشیں اور سلطان عبدالحمیدؒ کی معزولی، یہ سب برطانیہ کے ان وعدوں کی تنفیذ کی تمہید تھی جو اس نے یہودیوں کے ساتھ کئے تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ترکی کے موجودہ صدر طیب رجب اردغان (اسلام پسند جماعت جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ پارٹی کے صدر) فلسطین کے بارے میں اپنے عثمانی آباء و اجداد کے کردار کو ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس حوالے سے ان کے بعض موقف اور کام ایسے ہیں جن سے یہ بات اور زیادہ مؤکد ہوتی ہے۔

* * *

صہیونی تحریک

یہودیوں کے دو مختلف الخیال طبقے

یہودی قوم میں دو قسم کے متضاد اور مختلف الخیال طبقے ہیں، ان میں سے ایک یورپی کلچر اور ماحول کے ساتھ رواداری اور مغربی معاشرے میں ضم ہونے کی سوچ رکھتا ہے، اس فکر کے داعیوں میں معروف ترین یہودی فلسفی 'موسی منڈیلسن' ہے۔ جب کہ دوسرا طبقہ الگ تھلگ رہنے کا قائل ہے، یہودی مغربی معاشرے میں اچھوتوں کی طرح رہتے تھے اور الگ تھلگ اپنے علاقوں میں محصور تھے، کوئی ان کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، اس کے اسباب زیادہ تر یہودیوں کی خاص فطرت، ان کے عقائد اور ان کی خاص عادات واطوار تھے۔

دوسرا طبقہ جس کی قیادت و نمائندگی ٹھیوڈر ہرزل کرتا تھا، زیادہ طاقتور اور مؤثر ثابت ہوا، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ مغربی حکومتیں یہ چاہتی تھیں کہ یہودیوں سے چھٹکارا حاصل کیا جائے اور مغربی ممالک سے باہر ان کے لئے ایک مستقل ریاست قائم کی جائے۔

صہیونی تحریک کی بنیاد کے اسباب:

صہیونی تحریک، جس نے فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کو ممکن بنایا، اس کے وجود میں آنے کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

- عیسائی یورپ میں، خصوصاً پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے بیچ میں سولہویں صدی عیسوی سے صہیونی افکار کا ظہور، جو فلسطین میں یہودیوں کو جمع کرنے کی فکر پر مبنی تھے۔

- قوم پرستانہ اور وطن پرستانہ تحریکوں کا ظہور، خاص طور پر انیسویں صدی میں یورپ میں قوم پرستانہ ریاست کی بنیاد۔
- مشرقی یورپ میں صہیونیت کے فروغ میں خاص طور پر اس مسئلہ نے اہم کردار ادا کیا جسے یہودیوں کی سیاسی اصطلاح میں “مسئلہ یہودی” (Jewish question) کہا جاتا ہے، اسی طرح روس میں یہودیوں کی نسل کشی نے بھی اس میں اہم رول ادا کیا، اس کے علاوہ امریکہ اور یورپ میں یہودیوں کا بڑھتا ہوا اثر و نفوذ بھی اہم سبب رہا۔
- تحریک تنویر (Reform Judaism) کی ناکامی بھی اس کے فروغ کا اہم سبب رہی، اس تحریک کو عبرانی زبان میں یہود “ہس ال” کہتے ہیں، جس کا مطلب “فہم” (سمجھنے) کے ہیں، اس تحریک کا مقصد تھا: یہودی عقائد میں ایسی لچک جو یورپ کے لئے قابل قبول ہو، اور یہودیوں کو ان معاشروں میں تحلیل کر دیا جائے جہاں وہ رہتے ہیں، کیونکہ یہود الگ تھلگ آبادیوں میں رہتے تھے جن کو “گھیٹو” Jewry کہا جاتا تھا، اس طرح سے یہودیوں کی وفاداری اس حکومت کے ساتھ ہو جاتی جس کے ماتحت وہ رہتے ہیں، نہ کہ یہودی قومیت کی طرف، اس فکر کا سب سے بڑا داعی یہودی مفکر “موسی منڈیلسن” تھا۔

> “ڈیوڈ بن غورین” صہیونیت کے بارے میں کہتا ہے: “صہیونیت صرف کوئی نظریہ یا فلسفہ یا مذہبی مفہوم نہیں ہے، جو زمان و مکان اور حالات سے الگ ہو بلکہ حقیقت میں وہ ایک یہودی فکر و فلسفہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے مغربی معاشرے میں تحلیل ہونے کے خلاف ایک کشمکش کا نام ہے”۔

صہیونی تحریک کا تعارف:

یہ ایک سیاسی، قوم پرست اور شدت پسند سامراجی تحریک ہے جس کا مقصد دنیا کے تمام یہودیوں کو جمع کرنا اور ان کے لئے فلسطین میں ایک قومی وطن قائم کرنا ہے، جس کا شعار ہے: A Land without a people for people without a land.

لوگوں سے خالی سرزمین، ملک سے محروم لوگوں کے لئے

صہیونی تحریک ایک مذہبی و قوم پرست عناصر پر مبنی، نسل پرستانہ یہودی تحریک ہے، اس تحریک کی کامیابی کا انحصار اس اصول پر رکھا گیا ہے کہ فلسطین کے اصل باشندوں کے کتنے حقوق چھین کر نوواردوں کو دئے جا سکتے ہیں، ایک دفعہ صہیونی تحریک کی رکنیت حاصل کرنے کے بعد مذہبی یہودی، سیکولر یہودی، کیمونسٹ یہودی اور سیاسی یہودی میں کوئی فرق نہیں رہتا، جب تک کوئی یہودی صہیونی تحریک کا رکن ہے وہ انہی مقاصد کی تکمیل میں اپنی صلاحیتیں کھپائے گا جس کے لئے صہیونی تحریک برپا کی گئی ہے۔

یہ تحریک سب سے پہلی مرتبہ سن 1893ء میں منظرِ عام پر آئی، اس کا نام ”صہیونی تحریک“ القدس شہر کے قریب واقع ”صہیون“ پہاڑ کی جانب نسبت کرتے ہوئے رکھا گیا، لیکن یہ تحریک اپنی فکر کے اعتبار سے اس تاریخ سے پہلے ہی موجود تھی۔

صہیونی ریاست کے قیام کے اثرات و نتائج

بے شک فلسطین کا جائے وقوع عالمی نقشے میں نہایت اہمیت کا حامل اور اسٹرٹیجک مقام رکھتا ہے جب کہ صہیونی ریاست کے وجود سے اسلامی و عربی ممالک کا آپس کا براہ راست رابطہ منقطع کر دیا گیا، البتہ جغرافیائی رابطے کے انقطاع سے زیادہ خطرناک سیاسی اور اقتصادی رابطے کا انقطاع ہے، لیکن اس مسئلہ کا تعلق صرف صہیونی ریاست سے نہیں ہے

بلکہ عرب ممالک کے مابین باہمی کچھ ایسے مسائل اور مشکلات ہیں جو باہمی اتحاد اور یکجہتی کی راہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔

عالم اسلامی میں متحدہ قوت کے ابھرنے اور ترقی کے امکانات کے سامنے مغربی استعمار اور خاص طور پر برطانیہ کی مدد سے قائم ہونے والی یہودی ریاست، جو عالم اسلام کے قلب میں خطرناک مغربی اور صہیونی ناسور کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے ذریعہ عالمِ اسلام کے دو بازو جدا ہوگئے، ایک طرف افریقہ کے مسلم ممالک تھے اور دوسری طرف ایشیا کے مسلم ممالک، اور ان کے بیچوں بیچ صہیونی ریاست جو انہیں کاٹنے کے لئے بنائی گئ تھی، مسلم ممالک صرف کنزیومر (صارفین) ہیں اور صہیونی ریاست مغربی مال کی مشرق میں فروخت کی گزرگاہ۔

صہیونی ریاست کے ناسور کی وجہ سے ایسی عظیم اسلامی وحدت جنم نہیں لے سکتی جو عثمانی خلافت کے سقوط کے خلاء کو پر سکتی ہو۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہودی –صہیونی- ریاست کا بقاء، اس کا استحکام اور عروج، سخت مخالفانہ ماحول کے درمیان اس کے آس پاس عالم اسلامی کے ضعف، انتشار اور پسماندگی کا مرہونِ منت ہے، جتنا عالم اسلامی کمزور ہوگا صہیونی ریاست مضبوط سے مضبوط ہوتی جائے گی۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ امتِ مسلمہ کی ترقی، وحدت اور اس کی طاقت و قوت کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس کے قلب میں موجود صہیونی ریاست کو صفحۂ ہستی سے مٹا یا نہیں جائے گا۔

عربوں اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم و تفریق میں صہیونیوں کی دخل اندازی کو کوئی ناممکن نہیں قرار دے سکتا ہے، یہ تو صہیونی ریاست کی ہمیشہ کی سیاست رہی ہے، دوستی کے معاہدے اور عالم عربی کو اعتدال اور مزاحمتی ریاستوں میں تقسیم کرنا----- یہ عالم

عربی پر کنٹرول حاصل کرنے کی ایک منظّم اسکیم ہے جس پر امریکہ کی مکمل سرپرستی اور تعاون سے عمل ہو رہا ہے، البتہ لگتا ہے کہ یہ صورتحال زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گی کیونکہ آج کل عرب ممالک میں کافی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔

تھیوڈر ہرزل اور صہیونی تحریک:

یہودیوں کے ہاں سن 1896ء تک سیاسی بنیادوں پر قائم اپنے لئے کوئی متعین ملک کے قیام کا مسئلہ زیر غور نہیں تھا، یہاں تک کہ سیاسی میدان میں ”تھیوڈر ہرزل“ کا نام منظر عام پر آگیا جو اصل کے اعتبار سے یہودی شخص تھا، اور اسی نے فلسطین میں یہودی استعمار کے لئے ایک فورم کے قیام کا اعلان کیا، اور یہودی ریاست The jewish state نامی کتاب لکھ کر فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا، اور واضح کیا کہ اگر فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام ممکن نہ ہو سکا تو ارجنٹائین میں جدید یہودی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

تھیوڈر ہرزل: 1860-1904ء : بابائے صہیونیت کے لقب سے معروف ہے، یہی اس تحریک کا بانی اول اور اس کے اہداف و منصوبوں کو وضع کرنے والا ہے، آسٹریا (ہنگری) کی راجدھانی Budapest میں 1860/5/2 میں پیدا ہوا، پہلے صحافت کے میدان میں کام کیا، یہی ’یہودی ریاست‘ نامی کتاب کا مؤلف ہے جس میں اس نے پوری دنیا کے یہودیوں کے لئے ایک سیاسی حکومت کے قیام کا تصور پیش کر کے اس کی بنیاد رکھنے کی پرزور دعوت دی ہے۔

عالمی صہیونی تنظیم کی بنیاد ”بال“ سویزرلینڈ میں ”تھیوڈر ہرزل“ کے زیر سرپرستی اگست 1897م کو پڑی، اس نے اپنے آپ کو مغرب کے استعماری منصوبے کے ساتھ مربوط کیا، البتہ پہلی جنگ عظیم کے اختتام تک یہ تنظیم اپنے مقصد کے حصول میں کسی طرح کی کامیابی حاصل نہیں کر سکی۔

جب عثمانی یونانی جنگ کا آغاز ہوا اور عثمانی حکومت کمزور پڑ گئی اس وقت ہرزل نے یورپ کے لاکھوں یہودیوں کو متحرک کیا اور "فیینا" میں عثمانی سفیر کے ذریعہ سلطان عبدالحمید ثانیؒ کو یہود کی جانب سے بہت بڑے لالچ کی پیشکش کی گئی تا کہ یہود کو فلسطین کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت مل جائے، لیکن سلطان عبدالحمید کا جواب نہایت واضح اور دوٹوک تھا، انہوں نے ہر قسم کی پیشکش کو یہ کہتے ہوئے ٹھکرا دیا:

"میں فلسطین کی ایک بالشت مٹی سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتا ہوں، اس لئے کہ یہ میری ملکیت نہیں بلکہ میری قوم کی ملکیت ہے، میری قوم نے اس سرزمین کے لئے قربانیاں دی ہیں اور اپنے خون سے اس کو سیراب کیا ہے"۔

اسی وقت سے پھر ٹھیوڈر ہرزل خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے لئے فکر مند ہوا اور اس کے خواب دیکھنے لگا۔

سلطان عبدالحمید ثانیؒ کے ردّ عمل سے یہود پریشان اور آپے سے باہر ہو گئے، اس لئے انہوں نے ان کے خلاف سازشوں کا جال بننے اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا منصوبہ بنایا جس کے نتیجہ میں ترکی کے اندر سے ہی ایک ترکی انجمن بنام "انجمن اتحاد و ترقی" کے ذریعہ کوشاں ہو گئے. اس انجمن کے لیڈروں میں "مصطفیٰ کمال اتاترک" بھی تھا، جو غازی کے لقب سے معروف تھا اور وہ دردنیل کے معرکوں میں پہلی جنگ عظیم کے دوران مشہور ہوا۔ یہ ترکی انجمن ترکی کی پارلیمنٹ کے توسط سے اس بات پر قادر ہو گئی کہ عثمانی لیڈروں کی ایک تعداد کو اپنے ساتھ شامل کر لیا، قلیل مدت کے بعد یہ اقتدار تک پہنچ گئی اور سلطان عبدالحمید ثانیؒ کو معزول کرنے میں کامیاب ہو گئی اور ان کے بعد انجمن اتحاد و ترقی اقتدار پر براجمان ہو گئی۔

* * *

فلسطین: برطانوی انتداب کے دور میں

عربوں کے خلاف برطانوی سازش:

برطانیہ نے صہیونی منصوبے کی پوری پشت پناہی کی اور اس کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا جس کے نتیجے میں ۲ ،نومبر ۱۹۱۷م کو فلسطین میں یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن کے قیام پر مشتمل ''بالفور اعلامیہ'' کا اعلان کیا۔

۱۹۱۸ء میں برطانیہ نے خطے پر قبضہ مکمل کرتے ہوئے فلسطینی اراضی کا ایک حصہ صہیونیوں کے حوالے کردیا، عربوں کے متحدہ نمائندے شیخ شریف حسین کے ساتھ کئے ہوئے تمام معاہدوں کا انکار کردیا جس میں تمام عرب ریاستوں کو آزادی اور

۱۹۱۶ / ۱۳۳۴ھ سائکس پیکو معاہدہ ✍ : برطانیہ ایک سامراجی حکومت تھی جو نہایت عیاری اور مکاری کے ساتھ سرگرم تھی، عرب خطے کے بارے میں الشریف حسین سے بھی مذاکرات کررہی تھی اور اسی اثناء میں فرانس کے ساتھ بھی ایک معاہدہ کیا اور اس معاہدے کو عالم عربی کے خلاف کی جانے والی سازشوں میں خطرناک ترین تصور کیا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ برطانوی وزیر خارجہ ''سایکس'' اور فرانسی وزیر خارجہ ''پیکو'' کے درمیان طے ہوا، بعد میں یہ دونوں وزیروں کی جانب نسبت کرتے ہوئے ''سایکس پیکو'' معاہدے کے نام سے معروف ہوا، یہ معاہدہ رازدارانہ طریقے سے کیا گیا جس میں مندرجہ ذیل امور پر اتفاق ہوا:

عرب خطے کو اس طور پر تقسیم کیا جائے کہ عراق، اردن اور فلسطین کا حیفا اور اس کے آس پاس کا علاقہ برطانیہ کے زیر کنٹرول رہے گا، اور شام اور لبنان فرانس کے زیر کنٹرول، اور فلسطین کو بین الاقوامی خطہ قرار دیا جائے گا۔

خودختاری دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ برطانیہ اور فرانس نے مئی ۱۹۱۶ میں ہوئے ”سائکس پیکو“ معاہدے ((Sykes picot agreement کے ذریعے مشرق وسطی بشمول عراق اور وسیع تر شام کو فرانسی و برطانوی اثر و نفوذ کے درمیان چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تقسیم کر دیا، معاہدہ سائکس پیکو کے تحت فلسطین کو بین الاقوامی خطہ قرار دیا گیا، پھر اس کے بعد اپریل ۱۹۱۶ میں دوسرے معاہدے ”سان ریمو کانفرنس“ (San Remo) کے تحت فلسطین پر بین الاقوامی خطے کے بجائے برطانیہ کے انتداب کے حق کو تسلیم کر لیا گیا۔ اور برطانیہ نے ”اعلان بالفور“ کو فلسطین میں اپنے انتداب میں تحلیل کر دیا جس کو جولائی ۱۹۲۲ء میں اقوام متحدہ نے بھی تسلیم کر لیا اور فلسطین میں سب سے پہلے برطانوی مندوب کی حیثیت سے ”ہربرٹ صموئیل“ یہودی کو متعین کیا گیا۔

یہودیوں کی ہجرت

برطانیہ نے فلسطین پر اپنے قبضے سن (۱۹۱۸- ۱۹۴۸) کے دوران یہودیوں کیلئے فلسطین کی جانب ہجرت کے دروازے کھول دئے جس کے نتیجے میں ۱۹۱۸ء میں یہودیوں کی تعداد ۵۵۰۰۰ (پچپن ہزار) سے بڑھتے بڑھتے ۱۹۴۸ء تک چھ لاکھ چھیالیس ہزار ۶۴۶۰۰۰ تک پہنچ گئی، آبادی میں 8% کے تناسب سے 31.7 % تک ان کی تعداد جا پہنچی،۔ برطانیہ نے فلسطینی اراضی پر قبضہ دلانے میں یہود کا بھرپور تعاون کیا، جس کی وجہ سے زمین میں یہودیوں کی ملکیت تقریباً نصف ملین دونم (2% فی صد) سے تقریباً آٹھ لاکھ دونم (6.7% فی صد) تک پہنچ گئی، زیادہ تر یہ اراضی یہودیوں کو یا تو برطانوی انتظامیہ کے ذریعہ براہِ راست یا غیر فلسطینی کاشتکاروں کے ذریعہ حاصل ہوئی، فلسطینی مسلمان سخت حالات اور آزمائشوں کے باوجود ان تیس سالوں کے دوران اپنی زمین پر ڈٹے رہے،

اور 68.3% اکثریتی آبادی اور 93.8% زمین پر اپنے حق کی حفاظت کرتے رہے۔ یہود نے برطانوی طاقت و اقتدار کے بل بوتے پر اس دوران اپنے اقتصادی، سیاسی، تعلیمی، عسکری اور سماجی ادارے قائم کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، یہاں تک کہ ۱۹۴۸ء تک انہوں نے دوسو بیانوے (۲۹۲) کالونیاں بنالی تھیں، اور ”ہاغاناہ“ ”ارغون“ اور ”شتیرن“ تنظیموں کے سہارے ستر ہزار سے زائد جنگجوؤں پر مشتمل عسکری فوج تیار کرچکے تھے اور اپنی حکومت کا اعلان کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔

سامراج کے خلاف تحریک مزاحمت:

اگرچہ فلسطین کے خلاف سازشیں فلسطینی قوم کے امکانات اور ان کی طاقت سے کہیں زیادہ خطرناک تھیں، لیکن فلسطینی قوم نے برطانیہ کے غاصبانہ قبضے اور صہیونی منصوبے کو ٹھکرادیا اور آزادی کا مطالبہ کیا، آزادی کی تحریکیں برابر چلتی رہیں، جن میں قوم پرست تحریکیں بھی تھیں اور اسلام پسند بھی، اسلامی قیادت کے اہم ناموں میں ”موسی کاظم“ اور ”الحاج امین الحسینی“ کی شخصیات معروف ہیں، یہ اور ان کے رفقاء عوامی بیداری، سیاسی کاوشوں اور انقلابی تحریکوں کے روح رواں تھے۔ برطانیہ کے خلاف کئی بغاوتیں ہوئیں، جن میں اہم ترین یہ ہیں: ۱۹۲۰ء میں القدس کی بغاوت، ۱۹۲۱ء میں ”یافا“ کی بغاوت، ۱۹۲۹ء میں ”البراق“ کی بغاوت، اکتوبر ۱۹۳۳ء کی بغاوت، اسی طرح شیخ عزالدین القسام کی قیادت میں جہادی تحریک کا آغاز ہوا، عبدالقادر حسینی کی قیادت میں ”مقدس جہاد“ کے نام سے تحریک شروع ہوئی۔

ان پے در پے بغاوتوں کی وجہ سے ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۹ء برطانیہ اس بات پر مجبور ہوگیا کہ مئی ۱۹۳۹ء میں ’وائیٹ بک‘ White Book میں اس نے اگلے دس سالوں

میں آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کا وعدہ کیا، معاہدے میں یہ بھی تحریر کیا گیا کہ برطانیہ یہودیوں کو متعین رقبے کے علاوہ فلسطینی اراضی فروخت نہیں کرے گا اور پانچ سالوں کے بعد فلسطین کی جانب یہودیوں کی نقل مکانی کو روک دیا جائے گا، لیکن برطانیہ اپنے خارجہ سیکریٹری 'بیون' Bevin کے بیان کے ذریعہ نومبر ۱۹۴۵ء میں اپنے تمام وعدوں سے پھر گیا اور امریکہ کی سرپرستی میں صہیونی منصوبے پر از سرِ نو عمل شروع کیا گیا۔

فلسطین کی تقسیم:

۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد نمبر (۱۸۱) پاس کی کہ فلسطین کو تقسیم کرکے دو ملک بنادئے جائیں: ایک عربی اور دوسرا یہودی۔

یہودی ملک کے لئے فلسطینی اراضی کا ۵۴% حصہ ہوگا اور عرب حکومت کے لئے ۴۵% حصہ ہوگا، جبکہ ۱% رقبہ "القدس" کا علاقہ، بین الاقوامی خطہ قرار دیا گیا۔

پہلی مرتبہ اس قرارداد کو مسترد کردیا گیا، جبکہ دوسری مرتبہ مال، سیاسی تعلقات اور دباؤ استعمال کرکے اس کو منظوری دی گئی۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی قانونی حیثیت اس معنی میں نہیں ہوتی کہ رکن ممالک ایسی قرارداد پر عمل درآمد کرنے پر مجبور ہوں، یہاں تک کہ اقوام متحدہ کے میثاق کی رو سے بھی اس کو ماننا ضروری نہیں ہے، علاوہ ازیں اس کی تقسیمِ فلسطین کی مجوزہ قرارداد بذات خود اقوام متحدہ کے میثاق کے مخالف ہے، اقوام متحدہ کے میثاق میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ ہر خطے کے عوام کو آزادی اور اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا حق (حق خود ارادیت) ہوگا۔

مزید برآں اس قرارداد کی بابت نہ فلسطین کے عوام -جو اس قرارداد کے اصل فریق تھے- کو ہی اعتماد میں لیا گیا اور نہ ہی رائے شماری ہوئی، اس قرارداد کی جانبداری اور

مبنی بر ظلم ہونے کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ غیر ملکی مہاجر صہیونی یہودی اقلیت کو اصل باشندوں کے مقابلہ میں زیادہ اور بہتر حصہ دیا گیا۔

صہیونی ریاست ”اسرائیل“ کا اعلان:

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کی شام صہیونیوں نے یہودی ریاست ’اسرائیل‘ کا اعلان کر دیا، اور عرب فوج کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے، عرب اسرائیل جنگ میں عرب فوج بد نظمی، نا تجربہ کاری اور بری قیادت کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ عرب فوج کے ایک حصے پر استعمار کا شکنجہ کسا ہوا تھا، صہیونی تقریباً ۷۷ فیصد فلسطینی اراضی پر قابض ہو گئے، بزور طاقت آٹھ لاکھ فلسطینی باشندوں کو ایک علاقے سے ملک بدر کر دیا، جس پر انہوں نے اپنی ریاست قائم کی تھی، جبکہ اس حصے پر رہنے والے فلسطینی باشندوں کی کل تعداد نو لاکھ پچیس ہزار (۹۲۵۰۰۰) تھی (۱۹۴۸ء کے اختتام پر فلسطینیوں کی مجموعی تعداد تقریباً چودہ لاکھ (۱۴۰۰۰۰۰) تھی)۔

صہیونی ریاست نے ۴۷۸ہ فلسطینی گاؤں تباہ کر دئے، واضح رہے کہ مقبوضہ علاقے میں ۵۸۵ہ گاؤں تھے، اس دوران ۳۴ہ بڑے قتلِ عام کئے۔ جہاں تک باقی ماندہ فلسطینی اراضی کا تعلق ہے تو ایک بڑے حصے (۵۸۷۶ مربع کلو میٹر) کو ایک معاہدے کے ذریعے اردن نے اپنے ساتھ شامل کر لیا، جبکہ غزہ پٹی کے ایک حصے (۳۶۳ مربع کلو میٹر) کو مصر نے اپنے زیرِ انتظام کر لیا، اقوام متحدہ نے اس شرط پر اسرائیل کو تسلیم کر لیا کہ وہ ملک بدر کئے جانے والے فلسطینیوں کو ملک واپس آنے کی اجازت دے گا، اس قرارداد پر آج تک اسرائیل نے سرے سے کوئی عمل نہیں کیا۔

برطانیہ کے سیکریٹری خارجہ آرتھر جیمز بالفور کے خط کا اردو ترجمہ

دفتر خارجہ/ ۲، نومبر ۱۹۱۷ء

محترم لارڈ روچیلڈ

مجھے شاہ برطانیہ کی طرف سے آپ کو بتاتے ہوئے از حد خوشی ہو رہی ہے کہ درج ذیل فیصلہ یہودیوں اور صہیونیوں کی امیدوں کے ساتھ ہماری ہمدردی کا اظہار ہے، اور اس کی توثیق ہماری کیبنٹ بھی کر چکی ہے:

”شاہ برطانیہ کی حکومت فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی حامی ہے، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن صلاحیت کو بروئے کار لائے گی، مگر اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ فلسطین کی موجودہ غیر یہودی آبادی کے شہری و مذہبی حقوق یا دوسرے ممالک میں یہودیوں کی سیاسی حیثیت کو نقصان نہ پہنچے“۔

میں بہت ہی ممنون ہوں گا اگر اس فیصلے کو صہیونی فیڈریشن کے علم میں بھی لایا جائے۔

آپ کا مخلص

آرتھر جمیز بالفور

فلسطین کی آزادی میں عربی کردار:

۱۹۴۸ء تا ۱۹۶۷ء اسرائیل کے خلاف دو شعار معروف ہوئے ایک کا عنوان تھا: **”معرکۂ قومیت“** جبکہ دوسرے کا عنوان تھا: **”اتحاد؛ آزادی کا راستہ“**۔ فلسطینی تنازع کے حل کے لئے عرب ریاستوں نے مصری لیڈر جمال عبدالناصر کی قیادت تسلیم کرلی، دوسری طرف فلسطین کی اندرونی قوم پرست تحریکوں نے یہ کہتے ہوئے اپنی مزاحمت ترک کر دی کہ ان کے بارے میں عرب قیادت کو اختیار ہے کہ وہ مسئلہ فلسطین کا حل نکالیں، حقیقت یہ

تھی کہ عرب ریاستوں کے پاس مسئلہ کے حل کیلئے کوئی متفقہ لائحہ عمل نہ تھا، اور نہ ہی وہ اسرائیل کے خلاف جنگ کرنے میں سنجیدہ نظر آتے تھے۔ فلسطینی مزاحمت واقعات رونما ہونے کے وقت اور حالات کی خرابی کے وقت نظر آنے لگی، کوئی ایسی اسکیم سامنے نہ آسکی جسے فلسطینی مزاحمت کا مکمل منصوبہ کہا جاسکے، صہیونیوں کے کسی نئے ظلم کے خلاف جذبات میں آکر مسلمان عوام شدید رد عمل ظاہر کرتے رہے، لیکن کچھ وقت کے بعد اس کی شدت ختم ہو جاتی جبکہ صہیونی قوت ''اسرائیلی ریاست'' کی شکل میں روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔

فلسطین: ۱۹۴۸ء کی جنگ کے بعد

تحریکِ آزادیٔ فلسطین کی بنیاد:

سن ۱۹۶۴ء میں احمد شقیری کی قیادت میں جمال عبدالناصر کے ذاتی اثر ورسوخ سے ''تحریکِ آزادیٔ فلسطین'' ''منظمة التحرير الفلسطينية'' کی بنیاد رکھی گئی، جمال عبدالناصر محسوس کررہے تھے کہ فلسطین میں زیرِ زمین تحریکیں اور دیگر تنظیمیں روز بروز بڑھ رہی ہیں، انہیں خطرہ تھا کہ قیادت کی باگ ڈور کہیں ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائے، خاص طور پر ''الفتح'' تحریک سے انہیں خطرہ پیدا ہو گیا تھا جو کہ ۱۹۵۷ء سے سرگرم عمل تھی، اس لئے ''منظمة التحرير الفلسطينية'' (م-ت-ف) (تحریک آزادیٔ فلسطین) کا قیام عمل میں لایا گیا۔

''تحریکِ آزادیٔ فلسطین'' نے ۱۹۴۸ء سے پہلے والی حیثیت کو بحال کرنے کے لئے مقبوضہ اراضی کو آزاد کرنا اپنا مقصد بنایا اور عہد کیا کہ صرف ایک ہی طریقہ ''مسلح جدوجہد'' اس کا حل ہے، خالص فلسطینی تحریک اور وطنی شناخت کی نمائندگی کرنے کی

وجہ سے عام فلسطینیوں کی نگاہ میں یہ تحریک ہر دلعزیز بن گئی۔ ۱۹۶۸ء میں فلسطین کی فدائی تحریکیں، جن میں سر فہرست "الفتح" تھی تحریک آزادیٔ فلسطین کے ساتھ ضم ہو گئیں، اور فروری ۱۹۶۹ء سے "الفتح" کے قائد یاسر عرفات نے ہی "تحریک آزادیٔ فلسطین" (م-ت-ف) کی قیادت سنبھالی۔

سن ۱۹۷۴ء میں عرب ریاستوں نے "تحریک آزادیٔ فلسطین" کو فلسطین کی واحد قانونی تحریک کے طور پر تسلیم کرلیا اور اسی سال اقوام متحدہ نے بھی بطورِ فلسطینی عوام کی نمائندہ تنظیم کے اس کی رکنیت تسلیم کرلی۔

جون ۱۹۶۷ء کی جنگ:

جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا، اگلے چند ہی دنوں میں فلسطین کی باقی اراضی پر اسرائیل نے قبضہ کرلیا، نتیجے میں "مغربی کنارے" کا مشرقی علاقہ جہاں "القدس" واقع ہے یہودیوں کے قبضے میں چلا گیا، غزہ کا ایک حصہ، شام کا گولان کا پہاڑی سلسلہ (۱۱۵۰ مربع کلو میٹر) اور مصر کا صحرائے سیناء (۱۱۹۸ مربع کلومیٹر) بھی اسرائیل کے قبضے میں چلا گیا، ساتھ ہی اسرائیل نے تین لاکھ تیس ہزار (۳۳۰۰۰۰) فلسطینی ملک بدر کردئے۔

۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد اسرائیلی سیاست:

صہیونی ریاست اول روز سے اس منصوبے پر عمل پیرا تھی کہ فلسطین کو یہودی آبادی اور یہودی ثقافت و تمدن میں تبدیل کردے، اور اسکی اسلامی شناخت اور وہاں کے تمدنی آثار ختم کردے، اس مقصد کے حصول کیلئے ۱۹۴۸ء کی مقبوضہ اراضی کا ۹۶% فی صد حصہ سرکاری تحویل میں لے لیا، یہ وہ علاقے تھے جہاں سے یا تو مقامی آبادی کو ملک بدر

کر دیا تھا یا یہ اوقافِ اسلامیہ کی زمین تھی جو صدیوں سے اسلامی مقاصد کیلئے وقف چلی آرہی تھی، اور بہت سی زمین ان عربوں کی تھی جو وہاں موجود تھے، اسلامی شناخت کو مٹانے کے لئے اسرائیل نے ۱۹۴۸ء کی مقبوضہ اراضی پر ۷۵۶ شہر اور گاؤں بنائے۔

۱۹۶۷ء کو عرب اسرائیل جنگ کے بعد سے اسرائیل نے مغربی کنارے پر ۱۹۲ یہودی کالونیاں تعمیر کیں جو کہ مغربی پٹی کی کل اراضی کا ۶۰% بنتا ہے، اسی طرح غزہ کے علاقے کا ۳۰% حصہ سرکاری تحویل میں لیا گیا اور وہاں چودہ (۱۴) بستیاں تعمیر کی گئیں۔

جب کہ ملک بدر کئے ہوئے فلسطینوں کو صہیونی ریاست نے وطن واپسی سے محروم کر دیا، مختلف ممالک کے یہودیوں کے لئے فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کے دروازے کھول دئے جس کی وجہ سے ۱۹۴۹ء سے لیکر ۲۰۰۰ء تک اٹھائیس لاکھ یہودی فلسطین میں آکر آباد ہو گئے، جس کے نتیجے میں سن ۲۰۰۰ء میں یہودیوں کی مجموعی تعداد باون لاکھ ہو گئی۔

مہاجر فلسطینیوں کا مسئلہ :

بے وطن کئے گئے مہاجر فلسطینی اپنے وطن لوٹنے کے حق پر مضبوطی سے ڈٹے رہے اور دوسرے ممالک میں ان کو بسانے اور دیگر مراعات کے تمام منصوبوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، مغربی ممالک کی طرف سے فلسطینیوں کو آباد کرنے کے اب تک ۲۴۳ منصوبے پیش کئے جا چکے ہیں، فلسطینیوں کو اپنے وطن واپس لانے کے لئے اب تک اقوام متحدہ ۱۱۰ قرار دادیں پاس کر چکی ہے، لیکن صہیونی ریاست اسرائیل کے مسلسل انکار اور اقوام عالم کی عدم سنجیدگی کی وجہ سے کوئی بھی قرار داد ابھی تک عملی طور پر نافذ نہیں کی گئی ہے۔

۲۰۰۳ء کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۴۸ء کی مقبوضہ اراضی سے ملک بدر کیئے گیئے فلسطینی مہاجرین کی تعداد چھپن لاکھ (۵۶۰۰۰۰۰) سے زائد ہے جبکہ مغربی کنارے اور غزہ سے بے دخل کیئے گیئے تقریباً دس لاکھ فلسطینی باشندوں کو اپنے وطن واپس آنے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے، یعنی کل ملا کر ۵۶ء لاکھ سے زائد فلسطینی پناہ گزین مہاجرت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں جو فلسطین کی آبادی کا 68.8% بنتے ہیں۔

فلسطینی پناہ گزینوں کا یہ تناسب دنیا بھر میں مہاجر بستیوں میں رہنے والی کسی بھی دوسری قوم سے زیادہ ہے، اور تعداد کے اعتبار سے بھی سب سے زیادہ ہیں، فلسطینی مہاجرت بیسویں صدی کا سب سے المناک اور طویل تاریخی واقعہ ہے۔

اقوام متحدہ نے مسئلہ فلسطین کو ۱۹۴۹ء سے لیکر بیسویں صدی کی ستر ویں دھائی کے آغاز تک صرف مہاجرین کے مسئلہ تک محدود کر دیا جب کہ ۱۹۷۴ء میں اقوام متحدہ کے مشترکہ اجلاس نے واضح اکثریت سے یہ قرار داد منظور کی تھی کہ فلسطینیوں کو حق خودارادیت (اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق) دیا جائے گا، اسی طرح فلسطینیوں کے حقوق کی جنگ کو بھی اقوام متحدہ نے جائز قرار دیا جس میں مزاحمت بھی شامل ہے ،اور یہ کہ صہیونی ریاست کو ایک نسل پرست اور جانبدار سمجھا جائے گا اور فلسطینی پناہ گزینوں کو اپنے وطن لوٹنے کا حق دیا جائے گا، لیکن ہمیشہ امریکہ اور اس کے حلیف اقوام متحدہ کی قرارداد کو ٹھکرا کر، ان کو نظر انداز کر کے اور ”ویٹو“ کا حق استعمال کر کے ان پر عمل درآمد کرنے میں رکاوٹ بنتے رہے اور صہیونی ریاست اسرائیل کا بھرپور تعاون اور پشت پناہی کرتے رہے، اقوام عالم نے جس اصول کو بنیاد بنا کر یہودیوں کیلیئے وطن کی ضرورت کو تسلیم کیا اور اس پر عمل کرتے

ہوئے فلسطین میں ان کے لئے وطن بھی بنا لیا ہے، کیا وہی اصول (بے گھر) فلسطینیوں پر بھی لاگو کیا جاتا ہے جو طویل عرصے سے نہ صرف بے وطن ہیں بلکہ المیہ یہ ہے کہ انہیں ان کے اصل وطن سے بے دخل کیا گیا ہے، اقوام عالم کس طرح اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین سے منافقت کر رہے ہیں جس سے اس بدنما ظالمانہ اصول کی اصل حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے۔

اسرائیل کے تئیں عالمی طاقتوں کی جانب داری

مسئلہ فلسطین کی طویل تاریخ میں ہر انصاف پسند کے ذہن میں ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوتا رہا ہے کہ عالمی طاقتوں نے یہ کیسا انصاف کیا کہ صہیونی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں ایک ساتھ کھڑے نظر آئے! اور اقوام متحدہ نے اسرائیل کو کیسے تسلیم کیا ہے جس نے ایسی سرزمین پر اپنی ریاست قائم کی ہے جس پر اس نے ۱۹۴۸ء میں غاصبانہ قبضہ کیا اور وہاں کے اصل باشندوں کو بے وطن کرکے ارض فلسطین کے ۷۷ فیصد حصے پر قبضہ کر رکھا ہے۔

فلسطینیوں کی وطن واپسی کا حق مقدس اور قانونی کیوں؟

وطن واپسی کا حق مقدس کیوں؟

اس لئے کہ یہ ایک تاریخی حق ہے، اس کا تعلق فلسطین میں ہمیشہ سے اہلِ فلسطین کے وجود اور وطن سے ان کے ربط و تعلق سے ہے، اور اس لئے کہ یہ مقدس سرزمین میں ان کا ایک شرعی حق ہے، اور اس لئے بھی کیوں کہ یہ ان کا ایک ثابت شدہ

قانونی حق ہے، اور فلسطینیوں کا حق اپنے وطن فلسطین میں تاریخ کا ایک جزو لاینفک ہے، برطانیہ میں برطانیہ کے باشندوں کی تاریخ سے زیادہ قدیم ،اور امریکہ میں امریکیوں کی تاریخ سے زیادہ قدیم فلسطین میں اہل فلسطین کی تاریخ ہے۔

واپسی کا حق قانونی کیوں؟

واپسی کا حق ناقابل تبدیل حق ہے، جو بین الاقوامی قانون سے ماخوذ اور عالمی سطح پر تسلیم شدہ ہے، ۱۰؍دسمبر ۱۹۴۸ء کو صادر شدہ حقوق انسانی کا عالمی میثاق واپسی کے حق کو جائز اور واجب حق تسلیم کرتا ہے، دفعہ ۱۳ کے دوسرے جزء میں یہ عبارت درج ہے:

”ہر فرد کو کوئی بھی ملک چھوڑنے کا حق ہے، جس میں اس کا ملک بھی شامل ہے، اسی طرح اپنے ملک واپس آنا بھی اس میں داخل ہے“۔

افریقی اور عربی تمام بین الاقوامی مواثیق میں اس حق کا بار بار تذکرہ آیا ہے، عالمی میثاق برائے حقوق انسانی کے پاس ہونے کے دوسرے ہی دن یعنی ۱۱؍دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی طرف سے مشہور قرارداد نمبر ۱۹۴ منظور کی گئی جس میں فلسطینی پناہ گزینوں کی واپسی کے حق کا، اور ان کو ہوئے نقصانات کا تاوان ادا کرنے کا فیصلہ کیا گیا، ۱۹۴۸ کے بعد سے ۱۳۵؍ سے زائد مرتبہ عالمی برادری نے اس قرار داد نمبر ۱۹۴ کی یقین دہانی کرائی، اور سوائے اسرائیل کے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اور پھر اوسلو معاہدے کے بعد امریکہ نے بھی اس کی مخالفت شروع کر دی۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ موجودہ حالات میں واپسی ممکن بھی ہے جبکہ یہ بات عام کی جارہی ہے کہ (۱۹۴۸ کا مقبوضہ) فلسطین یہودی مہاجرین سے بھر چکا ہے اور اب وہاں واپس آنے والوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے؟!

حقیقت یہ ہے کہ یہ دعوی بے بنیاد اور جھوٹ پر مبنی ہے، کیونکہ آج بھی نام نہاد اسرائیل کے ۸۰ ٪ فی صد یہودی 'اسرائیل' کے صرف ۱۵ ٪ فی صد رقبے میں آباد ہیں، جبکہ ان میں سے بقیہ ۱۸ ٪ فی صد فلسطینی شہروں اور فلسطینی علاقوں میں آباد ہیں، اور صرف ۲ ٪ فی صد یہودی، فلسطینی مہاجر پناہ گرینوں کی اراضی پر قابض ہیں، جس کا رقبہ مقبوضہ فلسطین میں ۸۵ ٪ فی صد بنتا ہے۔

یعنی: صرف 200000 یہودی 17325000 دونم اراضی پر قابض ہیں جو 5500000 فلسطینی مہاجر پناہ گزینوں کی آبائی میراث ہے، جن کو اپنے وطن واپسی کے حق سے محروم کرکے خیموں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا گیا ہے۔

مسلح مزاحمت:

۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ء فلسطینی تاریخ میں فدائی کاروائیوں اور مسلّح مزاحمت کا سنہری زمانہ رہا ہے، لیکن ۱۹۷۱ء میں اردن نے مزاحمت کاروں کو اپنی سرزمین استعمال کرنے سے منع کردیا، اس کے بعد اگرچہ تحریکِ مزاحمت ختم نہیں ہوئی بلکہ لبنان کی زمین اس مزاحمت کیلئے استعمال ہونے لگی لیکن لبنان کی خانہ جنگی جہاں لبنان کیلئے تباہ کن ثابت ہوئی وہاں تحریکِ مزاحمت فلسطین کو بھی نقصان ہوا، ۱۹۷۵ء تا ۱۹۹۰ء کی لبنان کی خانہ جنگی کے علاوہ فلسطینی خیمہ بستیوں پر اسرائیل کی مسلسل بمباری؛ ۱۹۷۸ء میں لبنان کے جنوبی حصّے میں اسرائیل کی فوجوں کا گھسنا اور وہاں مزاحمتی کاروائیوں کے خلاف کچھ ایمان فروشوں کو خرید کر استعمال کرنا؛ پھر مزاحمتی تحریک کی اینٹ سے اینٹ بجانے کیلئے ۱۹۸۲ء میں جنوبی لبنان کو تہہ و بالا کردینا اور ”تحریکِ آزادیٔ فلسطین“ کو اور تمام مجاہدین کو لبنان کی سرزمین چھوڑنے پر مجبور کرنا؛ اس سے تحریک لبنانی سرزمین اور

پشت پناہی سے بھی محروم ہو گئی، اسرائیل کے شدید دباؤ کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب ریاستوں میں سے ہر ایک نے فلسطینی مزاحمت کاروں کی کاروائیوں کیلئے اسرائیل کے ساتھ اپنی تمام سرحدیں بند کردیں۔

فلسطین کی تحریک آزادی میں غیر مخلص عرب قیادت:

عمومی طور پر فلسطینی مزاحمت کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ خود اس کے بھائی بند عرب رہے ہیں، صہیونیوں کے خلاف مزاحمت کس طرح موئثر ہوتی جبکہ سبھی عرب تنظیموں اور عرب ممالک کی کوشش اور خواہش تھی کہ فلسطینی مزاحمت کا کنٹرول ان کو حاصل ہو، وہ فلسطینی مزاحمت کے ترجمان کہلائیں اور جب کوئی فیصلہ کن گھڑی آئے تو وہ اصل فریق سے بالا بالا بڑی طاقتوں سے معاملات طے کرائیں۔

اکتوبر ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ کو اس اعتبار سے کامیاب قرار دیا جا سکتا ہے اور اس میں معنوی طور پر مصر اور شام کامیاب ہوئے اور تحریک آزادی فلسطین کو فلسطینی عوام کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا، لیکن ۱۹۷۴ء میں متعلقہ عرب ملکوں نے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ شروع کر دیا، ستمبر ۱۹۷۸ء میں مصر نے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کر لیا، جس کی وجہ سے عرب صہیونی تنازع میں ایک اہم اور مضبوط ترین فریق الگ ہو گیا۔

۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۸ء عراق ایران جنگ سے بھی تحریک مزاحمت کو نقصان پہنچا، اس طویل جنگ سے نہ صرف دونوں ملک تباہ ہوئے بلکہ عرب ملکوں کے سامنے بھی ایک سے زیادہ سیاسی مسائل کھڑے ہوئے، دوسری طرف تحریک مزاحمت فلسطین کی مالی اعانت میں بھی خاطر خواہ کمی ہو گئی، کیونکہ اس وقت تیل کی قیمت آخری سطح تک گر گئی تھی، ۱۹۹۰ء میں عراق کا کویت پر قبضہ بھی تحریک مزاحمت کیلئے نقصان دہ ثابت

ہوا، کیونکہ اس سے پورا خلیج اندرونی مسائل میں الجھ گیا اور وسیع عربی اسلامی بلاک بکھر کر رہ گیا، مزید سویت یونین اور مشرقی بلاک کے گرنے کی وجہ سے توجہ مخصوص اہداف کی طرف مجتمع ہو گئی۔

ان تمام اسباب کی وجہ سے فلسطینی مزاحمتی تحریک بتدریج مسلح کاروائیوں سے دست برادر ہو کر رہ گئی، تحریک آزادی فلسطین کی قیادت ایک ایسے پرامن سیاسی حل پر مجبور پائی گئی جس میں ان کے لئے عمل کا میدان وہی قرار پاتا تھا جہاں ان کیلئے عمل کی کوئی گنجائش نہیں تھی، اور تحریک آزادی فلسطین کی قیادت بعض اہم بنیادوں اور اصولوں سے دستبردار ہونے کیلئے تیار ہو گئی، تاکہ عوض میں قیادت کی باگ ڈور اس کے ہاتھوں میں رہے اور فلسطینیوں کی واحد نمائندہ قیادت اسی کو سمجھا جاتا رہے۔

کیمپ ڈیوڈ معاہدہ

یہ معاہدہ ۱۹۷۸ء میں مصر اور اسرائیل کے درمیان ہوا، پہلے معاہدے میں ان امور پر خاص طور اتفاق ہوا:

۱: مصر اور اسرائیل کے درمیان ڈپلومیٹک نمائندگی کا تبادلہ۔ ۲: دونوں ملکوں کے درمیان اقتصادی مقاطعہ اور جنگی صورت حال کا خاتمہ۔ ۳: تین سالوں کے دوران اسرائیل سیناء کے علاقے سے نکل جائے گا۔

جبکہ دوسرے معاہدے میں اس بات پر اتفاق ہوا کہ فلسطینی بذات خود وہاں کے باشندوں پر حکومت کرنے کے اہل ہوں گے۔

کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے سلبی اثرات

کیمپ ڈیوڈ معاہدہ عرب اسرائیل کشمکش میں ایک تاریخی تبدیلی کا سبب بنا، چنانچہ اس کشمکش کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی عرب حکومت نے دشمن کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کر دئے جس میں دشمن کے وجود کا قانونی طور پر اعتراف کیا گیا، جس کے نتیجے میں بہت سی چیزوں سے دستبردار اور بہت سی چیزوں کا پابند ہونا پڑا، فلسطین کی عربی شناخت اور اس میں عربوں کے تاریخی حق سے دستبراری عمل میں آئی، اسرائیل کے وجود کو اور اس کے ساتھ جنگ بندی کو تسلیم کیا گیا، جس کے نتیجے میں گویا کہ صہیونی ریاست اور اس کے پورے منصوبے کو ہری جھنڈی دکھا دی گئی، ۱۷ ستمبر ۱۹۷۸ کو امریکہ نے یہ اعلان کیا کہ مصر اور اسرائیل کے درمیان ایک ایسے معاہدہ پر اتفاق ہو چکا ہے جس کے مطابق عرب اسرائیل کشمکش اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی اور مشرق وسطی میں ہمیشہ کے لئے امن قائم ہو جائے گا۔

بلا شبہ 'کیمپ ڈیوڈ معاہدہ' یا 'مصر - اسرائیل معاہدۂ صلح' کی وجہ سے بہت سے سلبی نتائج سامنے آئے جنکا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات میں پیش ہے:

۱: مصر، عرب برادری سے الگ ہو گیا اور عربوں کے درمیان اس نے اپنا سیاسی مقام کھو دیا۔

۲: عرب اسرائیل کشمکش سے مصر نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

۳: مصر کے سادات نے ایسی شرطوں کو قبول کیا جو مصر اور عربوں کے مفاد میں نہیں تھیں۔

۴: ساداتِ مصر نے 'اسرائیل' کو ہر مطلوبہ چیز فراہم کر دی، خاص طور پر اس کے وجود کا قانونی اعتراف، جس کیلئے یہودی ۱۹۴۸ء سے کوشاں تھے۔

۵: معاہدے نے اسرائیل کے لئے عربوں کے عسکری میدان کو خالی کر دیا، اور مصر کو عربوں کے خلاف نبرد آزما کر دیا۔

۶: معاہدہ نے مسئلہ فلسطین اور فلسطینی جدوجہد کو کمزور کر دیا۔

فلسطینی انتفاضہ اور مسئلہ کے حل کے مختلف منصوبے

پہلی تحریک انتفاضہ:

۱۹۸۷ء تا ۱۹۹۳ء میں فلسطین کی اپنی سرزمین سے تحریک انتفاضہ نے جنم لیا اور پہلی مرتبہ ایک خالص اسلامی تحریک نے مزاحمت کے عمل میں اپنے داخلی وسائل پر انحصار کرتے ہوئے جہاد کا آغاز کیا۔

انتفاضۂ مبارکہ کو اسلامی رنگ دینے میں خاص طور پر تحریک 'حماس' نے اہم رول ادا کیا، انتفاضہ نے جلد ہی عرب ریاستوں کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر توجہ حاصل کرلی اور مسئلہ فلسطین ایک مرتبہ پھر بین الاقوامی سطح پر نمایاں ہوگیا۔

لیکن انتفاضہ کی مقبولیت سے جو سیاسی فوائد حاصل کئے جاسکتے تھے وہ علاقے کے سیاسی حالات، فلسطینی قیادت کی عقلی اٹھان اور دیگر عوامل کی وجہ سے آزادئ فلسطین کے پرزور مطالبے کے بجائے معمولی اور جلد بازی میں قبول کئے گئے سیاسی معاہدوں کی نذر ہوگئے، جس میں سب سے زیادہ غاصب اسرائیل کے ساتھ عرب ریاستوں کا باضابطہ اور بلاواسطہ مذاکرات میں شریک ہونا مضر ثابت ہوا۔

پہلی تحریک انتفاضہ کا پس منظر

8/دسمبر 1987 کو ایک یہودی ٹرک ڈرائیور نے اپنے ٹرک کو پٹرول لینے کے لئے کھڑی گاڑی سے ٹکرادیا جس میں 'جبالیا' علاقے کے فلسطینی مزدور سوار تھے، اس کی وجہ سے ان میں سے چار فلسطینی شہید اور دوسرے زخمی ہوگئے، ریڈیو سے اس خبر کو

معمولی حادثے کے طور پر نشر کیا گیا، بظاہر یہ دوسرے حادثات کی طرح کا ایک حادثہ تھا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ حادثہ ایک اسرائیلی مقتول شخص کے باپ کی طرف سے انتقامی کاروائی تھی جس کے لڑکے پر غزہ میں خریداری کرتے ہوئے حملہ کیا گیا تھا اور وہ ہلاک ہو گیا تھا، اس لئے فلسطینیوں نے گاڑی کے اس حادثے کو قتلِ عمد کی کاروائی سمجھ لیا۔

دوسرے روز شہداء کے جنازے کے دوران اچانک احتجاجی تحریک شروع ہو گئی جس کے دوران لوگوں نے جبالیا میں اسرائیلی فوج کے کیمپ پر سنگ باری کی اور فوج نے جوابی کاروائی میں لوگوں پر فائرنگ کر دی، لیکن اس سے عوامی احتجاج میں کوئی کمی نہیں آئی، یہاں تک کہ پتھراؤ سے بچاؤ کے لئے اسرائیلی فوج نے مزید کمک طلب کر لی، اس کی وجہ سے انتفاضہ کی ابتدائی چنگاری سلگ گئی۔

البتہ یہ حادثہ صرف ایک ظاہری سبب کے طور پر سامنے آیا جبکہ پسِ پردہ مزید دوسرے بنیادی اسباب کارفرما تھے، جن میں سے نمایاں ترین مندرجہ ذیل ہیں:

اسرائیلی قبضے کے خلاف عوامی جذبات، معاشی حالات کی خرابی، فلسطین میں رہنے والے ہر شخص کی مسلسل پریشان حالی، مسلسل ہڑتالوں اور صہیونیوں کی طرف سے منصوبہ بند جنگی کاروائیوں کی وجہ سے اقتصادی حالات کی خرابی، اور اس کے علاوہ بھی بہت سے اسباب و عوامل اس کا سبب بنے۔

مذاکرات کا دور، حل کے منصوبے:

تحریکِ آزادیٔ فلسطین (م-ت-ف) میں روز بروز کمزوری آنے سے ان قوتوں کو اس بات کے وسیع مواقع حاصل ہو گئے جو صہیونی قیادت سے پر امن مذاکرات کو وسعت دینے کے ایجنڈے پر زور دیتے رہے تھے، یہاں تک کہ ۱۹۸۸ء میں اقوام متحدہ

نے اپنی قرارداد نمبر ۱۸۱ کے ذریعہ اس ایجنڈے پر کام کرنے والی طاقتوں کو تسلیم کرکے فلسطین کی تقسیم کا اعلان کر دیا، قرارداد میں فلسطین کو تسلیم کرتے ہوئے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، جس کے ایک حصے پر عرب اور دوسرے پر یہودیوں کا حق تسلیم کیا گیا، اسی طرح نومبر ۱۹۶۷ء میں سیکورٹی کونسل کی قرارداد نمبر ۲۴۲ نے بھی مسئلہ فلسطین کو پناہ گزینوں کے مسئلہ تک محدود کر دیا اور پرامن طریقے سے ہی اس مسئلہ کے حل کو ضروری قرار دیا۔

اکتوبر ۱۹۹۱ء میں تحریک آزادی فلسطین اور عرب ممالک نے 'میڈرڈ' شہر میں اسرائیل کے ساتھ بلاواسطہ براہ راست امن مذاکرات کے سلسلے کا آغاز کیا، دو برسوں تک عرب نمائندے اسرائیل سے کوئی بھی قابل ذکر مطالبہ نہ منوا سکے، سوائے ان خفیہ مذاکرات کے جو دسمبر ۱۹۹۲ء میں شروع کئے گئے اور اوسلو معاہدے (غزہ - اریحا معاہدے) کی بنیاد بنے، یہ معاہدہ ناروے میں اوسلو شہر میں کیا گیا جس پر عرب نمائندوں نے اسرائیل کے ساتھ واشنگٹن میں ۱۳، ستمبر ۱۹۹۳ء کو دستخط کئے۔

اوسلو معاہدے کی بنیاد پر عرب قیادت نے اسرائیل کو ایک جائز ملک تسلیم کرلیا، فلسطینی اراضی کے ۷۷ فی صد حصے پر بھی اسرائیل کا حق اور اس کا قبضہ جائز تسلیم کرلیا اور یہ کہ تحریک انتفاضہ کالعدم ہوگی اور اسرائیل کے خلاف مسلح کاروائی غیر قانونی سمجھی جائے گی، اسی طرح عرب قیادت پورے فلسطین کی آزادی کے متفقہ مطالبے سے بھی دستبردار ہوگی اور اسرائیل کی سلامتی کو نقصان پہنچانے والے کسی بھی عمل کو جائز نہیں سمجھا جائے گا، اور یہ کہ ہر قسم کے مسائل کا حل پرامن مذاکرات کے ذریعہ تلاش کیا جائے گا، اوسلو معاہدے پر دستخط کرکے تحریک آزادی فلسطین نے۔ عملی طور پر۔

آزادی کی تحریک، اسکے اہداف اور میثاق کا گلا گھونٹ دیا، دوسری طرف اس کے بالمقابل تحریک آزادی کی قیادت کو اسرائیل نے تسلیم کرکے اسی کو فلسطینی قوم کا نمائندہ قرار دیا، اور یہ کہ اسرائیل غزہ اور مغربی کنارے کے بعض حصوں میں فلسطینی قیادت کو محدود سطح پر آزادی دینے کا پابند ہوگا، اور یہ کہ دوسری اہم نوعیت کے مسائل اگلے پانچ برسوں میں حل کئے جائیں گے۔

دس سال سے زائد مدت تک چلنے والے مذاکراتی دور میں اہم مسائل میں سے کسی کا حل بھی سامنے نہیں آیا، جبکہ دوسری طرف صہیونی ریاست مسلسل خطے کو یہودی رنگ میں ڈھالتی چلی جارہی ہے، اسرائیل اپنے تصرفات میں ان معاہدوں کا بھی خیال نہیں کرتا جو اس نے خود مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر طے کئے ہیں، صہیونی قیادت نے مغربی پٹی کا صرف ۱۸ء فیصد اور غزہ کا ٦٠ء فیصد علاقہ فلسطینی قیادت کے سپرد کیا ہے، اس طرح فلسطین کی تاریخی سرزمین کا صرف 4.72% فیصد علاقہ فلسطینی قیادت کے پاس آیا ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مغربی پٹی کے ۲۴ء فیصد علاقے کا نظم و نسق (امن عامہ) پر دونوں ملکوں کا مشترکہ حق ہوگا، جو علاقے فلسطینی قیادت کو دستوری طور پر دئے گئے ہیں، ان میں سے عملی طور پر انتظامی اور سیکورٹی کے اعتبار سے مغربی کنارے کے ۵۸ فیصد پر اور غزہ کے ۴۰ فیصد علاقے پر صہیونی ریاست کا مکمل قبضہ اور کنٹرول ہے۔

اوسلو معاہدہ کی مخالفت:

اوسلو معاہدے کو زبردست مخالفت اور ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑا، یہ ردِ عمل نہ صرف فلسطین میں ہوا بلکہ عربی و اسلامی بلاک نے بھی مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا:

- عالم اسلامی میں مسلمہ حیثیت کے حامل علماء نے فتوی جاری کیا کہ صہیونی قیادت کے ساتھ اس کی شرائط پر مذکرات کرنا جائز نہیں ہے، پورے فلسطین کی آزادی کے لئے مقدس جہاد ضروری ہے، اور یہ کہ مسئلہ فلسطین حق و باطل کا معرکہ ہے جسے نسل در نسل جاری رہنا ہے، جب تک اللہ اہل حق کو مکمل نصرت اور کامیابی سے ہمکنار نہیں کردیتا، اور یہ کہ فلسطین کی سرزمین پر کسی بشر کا حق نہیں ہے، بلکہ یہ سارا خطہ اللہ ہی کیلئے وقف ہے، کسی انسان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ فلسطین کے کسی ایک حصے سے دستبردار ہو، اگراس وقت موجودہ نسل حالت ضعف میں ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیشہ یہی حالت برقرار رہے گی، آنے والی نسل کے حق کو غصب کرنے کا کسی کو اختیار نہیں دیا جاسکتا ہے، اور یہ کہ مسئلہ فلسطین تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے، اور عالم اسلامی کا کوئی ایک مسلمان بھی اللہ کی سرزمین سے دستبرار ہونے کا گناہ نہیں اٹھا سکتا ہے، خواہ فتح و کامرانی پر کتنا ہی عرصہ کیوں نہ بیت جائے۔
- اوسلو معاہدے پر جس قیادت نے دستخط کئے ہیں وہ اس کے خود ذمہ دار ہیں، قیادت نے عوام سے کوئی رائے طلب نہیں کی تھی اور نہ ہی وہ عوامی نمائندے تھے، تمام مسلمان اس معاہدے کے سخت مخالف ہیں، خواہ اسلامی تنظیمیں ہوں یا وطن پرست

تنظیمیں، یا سیاسی تنظیمیں، سب کے ہاں اس معاہدے کی مخالفت پائی گئی یہاں تک کہ خود تنظیم 'الفتح' کے اندر اسی کے لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔

- اس معاہدے میں اہم مرکزی اور حساس مسائل کے حل سے صرفِ نظر کیا گیا اور ان کا فیصلہ اور حل صہیونی ریاست کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا جس نے اپنے مطالبات فلسطینی کمزور فریق سے قوت کے زور پر منوالئے۔ نظر انداز کئے گئے اہم مسائل میں سے مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:
  1. القدس شہر کا مستقبل کیا ہوگا؟
  2. فلسطینی مہاجرین کا مستقبل کیا ہوگا؟
  3. مغربی پٹی اور غزہ کے علاقے میں اسرائیلی یہودی بستیوں کا مستقبل کیا ہوگا؟
- مستقبل میں فلسطینی قیادت کی سیاسی حیثیت کیا ہو گی، اور ان کے اختیارات اور حدود و قیود کیا ہوں گئے؟
- اوسلو معاہدے میں صہیونی ریاست جن علاقوں سے دستبردار ہو کر انہیں فلسطینی اتھارٹی کے سپرد کرنے پر آمادہ ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ذریعہ فلسطینیوں پر مشتمل کثیر آبادی والے علاقے کی انتظامی ذمہ داریوں سے اسرائیل کی جان چھوٹتی تھی، شہری بندوبست پر جو کثیر سرمایہ لگتا اس سے بھی وہ بچ گیا، اور فلسطینی آبادی والے محلوں کے قریب صہیونی بستیاں شہریوں کے حملوں سے غیر محفوظ تھیں، یوں بھی غزہ میں گنجان فلسطینی آبادی کی وجہ سے اسرائیل یہاں سے نکلنے کا بہانہ چاہتا تھا، بلکہ اس سے پہلے اسرائیل نے غزہ کے مقبوضہ علاقوں کو مصر کے زیر انتظام دینے کی پیشکش کی

تھی، مصر نے خود ہی اس ذمہ داری کو اٹھانے سے انکار کر دیا تھا، یہ علاقے فلسطینی اتھارٹی کے سپرد کرکے دراصل صہیونی ریاست نے اپنی سلامتی کو ہی محفوظ بنالیا۔

- اوسلو معاہدے میں فلسطینی اتھارٹی کے اختیارات نہایت محدود ہیں، نیز صہیونی استعمار کی نگرانی میں ہی ان پر عمل درآمد کیا جاسکتا ہے، صہیونی ریاست کو یہ حق ہوگا کہ وہ فلسطینی اتھارٹی کے کسی بھی فیصلے کو یا قانون کو ویٹو کے ذریعہ بے اثر کرسکتی ہے، معاہدے کی رو سے فلسطینی قیادت مستقل فوج نہیں رکھ سکتی، اور صہیونی ریاست کی باضابطہ اجازت کے بغیر اسلحے کا بھی لین دین نہیں کر سکتی۔
- اوسلو معاہدے کی رو سے فلسطینی اتھارٹی اس بات کی پابند ہو گئی کہ وہ صہیونی ریاست کے خلاف ہر قسم کی جہادی اور مسلح کاروائی کا سدِ باب کرے اور اپنی سنجیدگی، فرض شناسی اور حسنِ نیت کو ثابت کرنے کیلئے فلسطینی مجاہدوں کو گرفتار کرے، (صہیونی سلامتی والی اس شق کی تکمیل کیلئے) نو محکمے تشکیل دیئے گئے جو لوگوں کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھے، فلسطینی اتھارٹی کی تمام تر توجہ صہیونی سلامتی پر مرکوز تھی جبکہ اقتصادی، سیاسی اور سماجی میدانوں میں اس کی کارکردگی نہایت کمزور تھی، تمام شعبوں میں فساد عام ہوگیا، فلسطینی حکومت نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا، یہاں تک کہ ستمبر 2000ء میں تحریک انتفاضہ کے میدان میں اترنے سے سرکاری اداروں کی سرگرمیاں قدرے اعتدال پر آگئیں۔

- اوسلو معاہدے میں سرحدوں کی حفاظت کا حق اسرائیل کو دیا گیا، فلسطینی اتھارٹی کو سرحدوں سے باہر نکالنا ہو یا کسی فلسطینی کو سرحدوں میں داخل ہونا ہو تو اسرائیل کو اس کی اجازت دینے یا منع کرنے کا پورا حق ہوگا۔

- اوسلو معاہدے میں فلسطینیوں کے حق خودارادیت کا کوئی ذکر نہیں ہے، نہ ہی ان کے الگ خود مختار وطن کے قیام کا تذکرہ ہے، مغربی پٹی اور غزہ کے مقبوضہ علاقوں کا کوئی ذکر نہیں۔

- اوسلو معاہدے نے ہر عربی و اسلامی حکومت کیلئے دروازہ چوپٹ کھول دیا کہ وہ جب چاہیں اسرائیل کے ساتھ کوئی معاہدہ کرلیں اور اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرلیں، اس کے ذریعہ اسرائیل کو علاقے میں گھسنے، اقتصادی معاہدے کرکے اپنی مصنوعات اور تجارت کو فروغ دینے اور اسلامی تحریکوں اور قوم پرست تحریکوں کو کچلنے کا موقع مل گیا۔

دوسری تحریک انتفاضہ

پس منظر

دوسری تحریک انتفاضۃ الاقصیٰ کا آغاز دہشت گرد 'ایریل شارون' کے 28/ ستمبر 2000 کو اسرائیلی فوج کی سخت حفاظت میں جذبات کو برانگیختہ کرنے والے دورے کے ذریعہ ہوا، اس دورے کا مقصد یہ تھا کہ یہ باور کرایا جائے کہ مسجد اقصیٰ پر صہیونی قبضہ ہے، چاہے اس کی کوئی بھی قیمت چکانی پڑے۔

فروری 2001 کی Amnesty International کی رپورٹ کے مطابق انتفاضہ کا آغاز 29 ستمبر 2000 بروز جمعہ اس وقت ہوا جبکہ صہیونی افواج القدس میں مسجد اقصی کے اطراف میں داخل ہوئیں اور انہوں نے مغربی دیوار "حائط البراق" کے پاس نمازیوں کی جانب سے ہوئے پتھراؤ کے جواب میں فائرنگ شروع کر دی۔

دوسری تحریکِ انتفاضہ، پہلی انتفاضہ کے مقابلہ میں اس اعتبار سے نمایاں حیثیت رکھتی ہے کہ یہ اوسلو معاہدہ کے بعد اور فلسطینی حکومت کے قیام کے بعد شروع ہوئی، جس سے یہ پیغام دیا گیا کہ یہ معاہدہ ناقابلِ قبول ہے، اسی طرح دوسری تحریک انتفاضہ کے دوران اہم مزاحمتی تنظیموں کے درمیان باہمی رابطہ اور منظّم کاروائیاں دیکھنے کو ملیں۔

تحریک انتفاضہ کا دوسرا مبارک دور:

ستمبر 2000ء میں تحریک انتفاضہ نے ایک مرتبہ پھر اس بات کو ثابت کیا کہ فلسطین پر فلسطینیوں کا حق ہے، فلسطینی عوام کے ساتھ ساتھ عربی واسلامی ممالک کے تمام لوگوں کے نزدیک تحریک انتفاضہ ہر دل عزیز تحریک بن گئ اور عوام نے پھر اس تحریک کی حمایت کی، اسی طرح اس تحریک نے مسئلہ فلسطین کی اسلامی حیثیت کو بھی واشگاف کیا، انتفاضہ نے اصل صہیونی عزائم سے پردہ اٹھایا اور صہیونی ریاست کی طرف سے امن کے نعروں کا پردہ چاک کیا، اس تحریک نے، اسرائیل کے ساتھ ہونے والے معاہدوں میں جس دجل اور فریب سے کام لیا گیا تھا، اسے نمایاں کیا اور ثابت کیا کہ ان معاہدوں میں فلسطینیوں کے جائز حقوق سلب کیۓ گیۓ ہیں۔

تحریک انتفاضہ کے سر گرم ہوتے ہی فلسطینی عوام کو اسرائیلی غنڈہ گردی کا نشانہ بننا پڑا، اس دوران 3300 سے زائد فلسطینی شہید ہو گئے جبکہ 45 ہزار فلسطینی اسرائیلی بمباری سے زخمی ہو گئے۔ برسرِ روزگار فلسطینیوں میں سے ۵۸ فیصد بے روزگار کر دئے گئے، اسرائیل کے اس شدید ظلم کے باوجود 'تحریک انتفاضہ' جہاد، شجاعت اور شہادتوں سے تحریک کو لازوال کرتی چلی گئی، فلسطین کی طویل مزاحمت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انتفاضہ کی شکل میں صہیونی ریاست 'اسرائیل' کو ایک متحدہ قوت کا سامنا کرنا پڑا جس نے اسرائیل کے دانت کھٹے کر دئے اور انتفاضہ کی جہادی اور استشہادی کاروائیوں سے 890 سے زائد صہیونی ہلاک اور 6250 سے زائد زخمی ہوئے، انتفاضہ کے تسلسل نے اسرائیل کیلئے مذاکرات کے ذریعہ فلسطینیوں کی فروخت کا سلسلہ ختم کر دیا، اسرائیل کی معاشی ترقی کا خواب ادھورا کر دیا، سیاحتی شعبے کو روبزوال کر دیا اور انتفاضہ کے بعد سے بہت سے یہودیوں کو خوف کے مارے اسرائیل سے ہجرت اور نقل مکانی پر مجبور کر دیا۔

اس طرح سے تحریک انتفاضہ نے صہیونی ایجنڈے اور اسرائیلی سیادت کے دو مضبوط ستون "سلامتی اور معیشت" ہلا کر رکھ دئے۔

* * *

تحریک آزادیٔ فلسطین میں ’حماس‘ کا کردار

حماس ’’حركة المقاومة الاسلامية‘‘ کا مخفف ہے جس کی بنیاد 15 /دسمبر 1987 کو شیخ احمد یاسین شہیدؒ نے دیگر قائدین کے ساتھ ڈالی، شیخ احمد یاسینؒ کی قیادت میں حماس نے سرد خانے میں پڑے ہوئے مسئلہ فلسطین کو ایک بار پھر دنیا کا حل طلب مسئلہ بنایا، عالمی امن کے ٹھیکیداروں کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور واضح کیا کہ فلسطین فلسطینیوں کا قانونی و شرعی حق ہے اور یہودی غاصب و قابض ہیں، تنظیم کے بانی شیخ احمد یاسین شہیدؒ کو غاصب اسرائیل نے ایک ڈرون میزائیل حملے میں ۲۲ مارچ ۲۰۰۴ کو نماز فجر ادا کر کے گھر واپس آتے ہوئے شہید کر دیا، ان کے بعد قیادت کی ذمہ داری شیخ عبد العزیز رنتیسیؒ نے سنبھالی لیکن اسرائیل نے ان کو بھی ۱۷؍اپریل ۲۰۰۴ کو شہید کر دیا، جس کے بعد تنظیم کے سیاسی شعبے کے سربراہ کی حیثیت سے شیخ خالد مشعل ذمہ داری ادا کر رہے ہیں جبکہ شیخ اسماعیل ہانیہ غزہ پٹی میں فلسطین کے وزیر اعظم کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

تحریک حماس روزِ اول سے ہی غاصب اسرائیلی دشمن کے سامنے سینہ سپر ہے، حماس اب ایک نمائندہ تنظیم اور مسئلہ فلسطین کا عنوان بن چکی ہے، جو فلسطین میں اسلام کے نظریاتی تشخص کی حقیقی نمائندگی کرتی ہے، حماس نے اسلامی اصولوں اور نظریات کو اپنا شعار بنایا ہے، حماس نے اپنی تشکیل کے تھوڑے ہی عرصے بعد اپنے آپ کو ’’اخوان المسلمین‘‘ کا حصہ قرار دیا، تاریخی، نظریاتی اور تنظیمی تعلقات کو اخوان المسلمین کے ساتھ ضروری قرار دیا، حماس کی عسکری ونگ عزالدین القسام کے نام سے

قائم ہے، اخوان المسلمین نے ۱۹۵۴اور ۱۹۵۶ کے دوران اسرائیل کے خلاف مجاہدین کو منظّم کیا، ۱۹۶۷ میں جب اسرائیل استعمار کی مدد سے فلسطین کے بقیہ حصے پر بھی قابض ہو گیا اور اردن، لبنان اور مصر کے علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا، اور عظیم تر اسرائیل بنانے کے دوسرے مرحلے میں داخل ہوا تو اخوان المسلمین نے عرب حکمرانوں کی مخالفت کے باوجود اسرائیل کے خلاف اپنی عسکری کاروائیاں جاری رکھیں۔

۱۹۸۷ء میں عظیم تحریک انتفاضہ کے ظہور پذیر ہونے تک فلسطین کے اندر اور باہر فلسطینی عوام میں تحریک اسلامی نے ایک منفرد مقام حاصل کرلیا تھا، پہلے مرحلے پر ۱۹۶۷ سے ۱۹۷۶ تک تحریک نے تعمیری جدوجہد کی اور اپنے مراکز مستحکم کئے، ابتداء میں فلسطینی اخوانیوں نے معاشرہ سے یہودیوں کے پیدا کردہ بگاڑ کو دور کیا، غیر اسلامی فکر کو ختم کیا اور عوام کے اندر اسلامی فکر پیدا کی، یہ مرحلہ ۱۹۷۶ سے ۱۹۸۱ کے درمیانی حصے پر محیط ہے، اس میں بھی تحریک نے اپنے مراکز کو مزید پھیلایا، یہ کام معاشرے میں اسلامی رجحان رکھنے والے تعلیمی اداروں کے قیام کے ذریعہ کیا گیا، ان اداروں نے فلسطینی عوام کی اکثریت کے ساتھ مؤثر رابطہ رکھا، اداروں کا وسیع نظام جو حماس کو اخوانیوں کی طرف سے ورثہ میں ملا، اس سے خوب فائدہ اٹھایا، ان اداروں نے انتفاضہ کے دوران تحریک کو مزید مستحکم کیا۔

تیسرا مرحلہ ۱۹۸۱ سے ۱۹۸۷ کے درمیانی عرصے پر مشتمل ہے، اس عرصے میں تحریک نے اپنی شاخیں قائم کرنے کا کام کیا اور مزاحمتی کاروائیوں کی طرف سے سفر شروع کیا، اس کا مقصد تحریک کو طاقتور سیاسی تنظیم بنانا تھا تاکہ اس کے فوراً بعد اسرائیلی قبضے اور اسرائیلی آرمی کے خلاف مسلح جہاد کا آغاز کیا جائے، یہ تصور عملاً ''المجاہدون

الفلسطینیون" کی تشکیل سے پایۂ تکمیل کو پہنچا، یہ تنظیم غزہ کی پٹی میں اخوان کا عسکری بازو تھی اور اس کی بنیاد پر ۱۹۸۹ میں مجاہد شیخ احمد یاسینؒ کو پسِ زنداں کیا گیا۔

۱۹۸۹ سے تاحال اسرائیلی قبضے کے خلاف مزاحمت کو حماس کا چوتھا مرحلہ خیال جاتا ہے، اس کا آغاز ۸؍ دسمبر ۱۹۸۷ کو فلسطینی انتفاضہ میں پھوٹ پڑنے پر ہوا، اور اس کے بعد ۱۵؍ دسمبر ۱۹۸۹ کو "تحریک مزاحمت اسلامی" حماس کے قیام کا اعلان کیا گیا۔

ایک اہم ہدف جو حماس حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی وہ ہے: اسلامی ریاست کے قیام اور فلسطین کی آزادی کے درمیان ترجیحات؛ دونوں ترجیحات کو ایک ٹھوس پروگرام کے تحت آگے بڑھانے میں تحریک کو کامیابی ملی اور دونوں کو تحریک نے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کردیا۔

حماس کے نزدیک مسئلہ فلسطین صرف فلسطینیوں کا نہیں بلکہ امت مسلمہ کا مسئلہ ہے، قبلۂ اولی پر ہر مسلمان کا حق ہے چاہے وہ دنیا کے کسی خطے سے تعلق رکھتا ہو، حماس کے نقشے کے مطابق بحر احمر سے دریائے اردن تک اور شمال سے جنوب تک کا علاقہ فلسطین کا حصہ ہے جس کی آزادی قرض ہے، حماس نے فلسطینی عوام کے حقوق اور القدس پر سودے بازی کی ہر صورت کو ناکام بنادیا ہے، حماس نے اعلیٰ قیادت سے لے کر ایک عام کارکن تک کا خون فلسطین کی آزادی پر قربان کیا اور قابض استعمار کے تمام ہتھکنڈے ناکام بنادئے۔

حماس نے ایک مزاحمتی تنظیم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی سیاسی حیثیت بھی تسلیم کرالی جس نے ۲۰۰۶ کے عام انتخابات میں بھاری اکثریت حاصل کی تھی اور فلسطین میں حکومت سازی کی تھی، تاہم اس موقع پر بھی عالمی برادری، سامراجی طاقتوں

اور غاصب صہیونی ریاست اسرائیل نے حماس کے منڈیٹ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ حماس کے اثاثے منجمد کرنے کے ساتھ ساتھ یورپی یونین اور امریکہ سمیت دیگر مغربی طاقتوں نے حماس کو دہشت گرد قرار دے دیا تھا، غزہ کو ملنے والی بین الاقوامی امداد کو بھی روک دیا گیا تھا، البتہ ان تمام چیلنجز کے باوجود غزہ میں حماس نے حکومت قائم کرلی لیکن عالمی سامراج کو یہ بات بالکل بھی پسند نہ آئی انہوں نے غاصب اسرائیل کی پشت پناہی کرکے ۲۰۰۸ میں اور بعد میں غزہ پر خطرناک حملے کرکے غزہ کا محاصرہ کیا لیکن ہر موقع پر اسرائیل کو منہ توڑ جواب دیا گیا اور اسرائیل کو شکست وذلت کا سامنا کرنا پڑا، حماس نے یہ ثابت کرکے دکھا دیا ہے کہ وہ غاصب اسرائیلی دشمن کی ہر قسم کی جارحیت کا منہ توڑ جواب دے سکتی ہے۔

فلسطین کے عیسائیوں کا کردار:

فلسطین کی عیسائی آبادی کو بھی مسلمانوں کی طرح صہیونی ظلم و ستم اور بے وطنی کا شکار ہونا پڑا۔ برطانیہ کے انتداب سے لے کر اب تک وہ بھی آزادیٔ وطن کی تحریک میں مسلمانوں کے ساتھ شانہ بشانہ شریک رہے ہیں، صہیونی منصوبے کے مقابلے میں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مثالی اتحاد اور یکجہتی کا اعلی نمونہ پیش کیا ہے، وہ فلسطین میں رائج تہذیب و ثقافت اور عربی زبان کا اسی طرح دفاع کرتے ہیں جس طرح عام فلسطینی مسلمان کرتے ہیں، تقریر، تحریر اور تلوار سے وہ دفاع میں پورے طور پر شریک ہیں اور وہ اس علاقے کے ساتھ اپنی نسبت کا پورا ثبوت دے رہے ہیں۔

بلا شبہ اپنے وطن سے محبت اور اس کا دفاع کرنا، اپنے مقدسات کا احترام اور دفاع کرنا؛ دین اسلام کے واجبات میں سے ایک اہم واجب ہے، اپنے ہم وطن لوگوں سے

تعلقات، ان سے محبت اور ان کیلئے اچھے جذبات رکھنا ایک فطری اور انسانی جذبہ ہے، سوائے اس کے کہ اس سے کوئی حرام چیز حلال نہ ہو جائے یا کوئی حلال چیز حرام نہ ہو جائے، اس دائرے میں رہتے ہوئے وطن اور اہل وطن سے محبت ایک فطری اور جائز جذبہ ہے، اس لئے اس فطری جذبے کی وجہ سے مسئلہ فلسطین کے بنیادی عناصر سب کے سب ایک دوسرے کو مکمل کرنے والے ہونے چاہیں، نہ کہ ایک دوسرے کے برخلاف، خواہ وطن کی محبت نے انہیں ابھارا ہوا یا عربی جذبے نے مہمیز دی ہو یا اسلامی جذبہ کار فرما ہو۔

اسی طرح اسلامی معاشرے سے کمزوری کے اسباب دور کرنے ہوں، یا اسلامی ریاست کی بنیاد رکھنا ہو، یا تمدن یا ثقافتی ترقی حاصل کرنا ہو، یا عرب مسلمانوں کے اتحاد کی تحریک ہو، یا فلسطین کی آزادی کا مسئلہ ہو، ان میں سے کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو دوسرے عمل کے مخالف ہو، بلکہ یہ سب ہی ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں اور یہ بالکل ممکن ہے کہ سب عناصر ایک ساتھ عمل کی تکمیل کا حصہ بنیں۔

❀ ❀ ❀

باب چہارم

بیت المقدس، درپیش چیلنجز اور موجودہ صورتحال

بیت المقدس؛ موجودہ صورتحال

یہودیوں نے ۱۹۴۸ میں مغربی القدس پر قبضہ کیا، جو القدس کے کل رقبے کا تقریبا ۸۴٪ حصہ ہے، اور وہ اس وقت سے ہی اس کی اسلامی شناخت ختم کرکے یہودی رنگ میں رنگنے پر لگے ہوئے ہیں، وہاں کی اراضی پر یہودی کالونیاں تعمیر کیں۔ ''لفتا'' علاقے میں اسرائیلی پارلیمنٹ اور کئی دیگر وزارتوں کی عمارتیں تعمیر کیں، اس طرح ''عین کارم'' ''دیر یاسین'' ''المالحہ' اور دیگر علاقوں میں اسلامی شناخت ختم کردی ہے۔

۱۹۶۷ میں صہیونیوں نے مشرقی القدس پر بھی قبضہ کرلیا جس میں مسجد اقصی بھی شامل ہے، اسی وقت سے مشرقی القدس کی اسلامی شناخت کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش جاری ہے، اسی پس منظر میں ۳۰ جون ۱۹۸۰ کو باقاعدہ یہ اعلان کردیا گیا کہ ''القدس ''ہمیشہ کے لئے اسرائیل کا دار الحکومت رہے گا، اسرائیل کے وجود سے پچاس سال پہلے صہیونی تحریک کا بانی 'ہرٹزل' کہہ چکا ہے: ''جب القدس شہر کو ہم حاصل کرلیں گے اور میں اس وقت زندہ رہوں اور کوئی بھی کام کرنے پر قادر ہوں گا تو میں ہر اس چیز کو وہاں سے زائل کردوں گا جو یہود کے نزدیک مقدس نہ ہو، اور دوسرے تمام آثار ونشانات کو خاکستر کردوں گا''۔ (دراسات منہجیہ فی القضیۃ الفلسینیۃ، ص: ۴۵ ڈاکٹر محسن صالح)

''عظیم القدس'' کے خواب کو پورا کرنے کے لئے مسجد اقصی کے آس پاس قدیم القدس میں صہیونیوں نے گیارہ یہودی محلے بنالئے ہیں جن میں تقریبا ایک لاکھ نوے ہزار (۱۹۰۰۰۰) یہودی آباد ہیں، اسی طرح القدس کو عربوں سے منقطع کرنے کے لئے تقریبا سترہ (۱۷) یہودی کالونیاں بنالی ہیں، القدس کے ۸۶٪ رقبے پر صہیونی قابض ہیں جبکہ عملی طور پر صرف ۴ % رقبہ ہی عربوں کے پاس باقی بچا ہے، ۱۵٪ علاقہ تو وہ ہے

جہاں عربوں کو تجارت کرنے یا کوئی بھی دوسرا فائدہ اٹھانے کی کوئی اجازت نہیں ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ القدس شہر کو یہودیانے کا عمل کس قدر تیزی سے جاری ہے، حالانکہ ۱۹۱۸ میں برطانوی سامراج کے قبضہ کے وقت ۹۰٪ القدس کے رقبے پر عربوں کی ملکیت تھی۔

جہاں تک حرم قدسی ''مسجد اقصی'' کا تعلق ہے تو اس کی داستان اور زیادہ المناک ہے، بیسویں صدی کی دوسری دھائی میں یہودیوں نے 'حائط البراق' (جس کو دیوار گریہ کہتے ہیں) کے بارے میں مختلف دعوے کرنا شروع کردئے، حالانکہ وہ دیوار اور اس کے آس پاس کا علاقہ اسلامی وقف ہے، جس کے ثبوت دستاویزات کی شکل میں محفوظ ہیں، یہود نے 'حائط البراق' کے متصل 'المغاربہ' محلے کو مکمل طور پر زمین بوس کردیا جس میں ۱۳۵ ؍ گھر اور دو مساجد بھی شامل ہیں، حالانکہ یہ پورا رقبہ اسلامی وقف ہے۔

مسجد اقصی کے نیچے اور آس پاس کھدائی کی منظّم کوششیں جاری ہیں، ۱۹۶۷ سے سن ۲۰۰۰ تک کھدائی کا عمل دس مراحل میں نہایت رازداری اور سرعت کے ساتھ پورا کیا گیا۔ ۱۹۶۷ سے ۱۹۹۰ تک مسجد اقصی پر ۴۰ سے زائد حملے کئے گئے جن میں سب سے خطرناک واقعہ ۲۱ ؍ اگست ۱۹۶۹ کو مسجد اقصی کے ایک حصے کو نذر آتش کرنے کی شکل میں پیش آیا، ۱۹۸۹ میں 'امناء الھیکل' تنظیم نے مسجد اقصی کے گیٹ کے متصل ہیکل کی تعمیر کی بنیاد رکھ دی۔

القدس اور فلسطین میں مسلمان مسلسل مسجد اقصی کی حمایت وحفاظت کے لئے آرام، نیند اور ہر چیز قربان کررہے ہیں، ہر قسم کے صہیونی ظلم اور طاقت کا مقابلہ کررہے ہیں، ان کا قتل عام بھی کیا گیا یہاں تک کہ ۸ اکتوبر ۱۹۹۰ کو ایک ساتھ ۳۴ ؍ فلسطینی

مسلمان شہید اور ۱۱۵ زخمی کیئے گئے، اسی طرح ۲۵-۲۷ ستمبر ۱۹۹۶ کو ۶۲ فلسطینیوں کو شہید اور ۱۶۰۰ کو زخمی کیا گیا، اب تک القدس کے دفاع اور آزادی کے لئے پچاس ہزار سے زیادہ مسلمان شہادت کا جام پی چکے ہیں، لاکھوں جلاوطن اور زخمی اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔

القدس کو یہودیانے کی مختلف شکلیں:

یہودیوں نے تاریخی اور مقدس شہر ''القدس'' کی اسلامی شناخت مٹانے اور اسے یہودی رنگ میں رنگنے کے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے، اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کیئے جارہے ہیں:

۱: القدس کی وقف شدہ اراضی اور ملکیت والی اراضی کو ہر ممکن طریقے سے حاصل کرنے کی کوششیں جاری ہیں، عمارتوں کو خرید کر اور اسلامی عمارتوں کو منہدم کر کے اس بات کی منظّم کوششیں جاری ہیں کہ اصلی اور قانونی مالکوں کے ہاتھ سے یہ زمینیں نکل جائیں۔ بیت المقدس کے مشرق میں -جہاں مسجد اقصی واقع ہے- دو لاکھ یہودی مہاجرین آباد کیئے گئے ہیں، فلسطینیوں کے محلوں سے اس علاقے کو الگ رکھنے کے لئے اور وہاں اسلامی آثار وعلامات مٹانے کے لئے یہودی آبادی والے علاقے کے ارد گرد شہر پناہ تعمیر کردی گئی، صہیونی ریاست نے اعلان کردیا کہ بیت المقدس ان کا ہمیشہ کے لئے دارالحکومت رہے گا۔

۲: فلسطین کے اصل باشندوں کو جلاوطن کرکے وہاں یہودیوں کو آباد کرکے آبادی کے تناسب کو تبدیل کیا جارہا ہے، وہاں کے باشندوں سے ان کا ریکارڈ چھین کر اور ان پر زیادہ سے زیادہ ٹکس عائد کرکے ان کو نکلنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ بیت المقدس

کے ۸۶% علاقے کو سرکاری تحویل میں لے کر قبضہ کیا گیا، مقبوضہ علاقے میں (سن ۲۰۰۰ء کے اعداد و شمار کے مطابق) دو لاکھ دس ہزار فلسطینیوں کے مقابلے میں چار لاکھ پچاس ہزار یہودی مہاجرین آباد کئے گئے ہیں۔

۳: القدس شہر کو 'اسرائیل' کا ہمیشہ کا دار السلطنت قرار دیا گیا ہے۔

۴: مسئلہ قدس کو بات چیت کی میز پر لا کر مسلسل طول دیا جارہا ہے تاکہ تب تک وہاں کی جغرافیائی، دینی صورتحال اور آثار و آبادی کے تناسب کو غیر محسوس انداز سے تبدیل کر دیا جائے۔

۵: شدت پسند یہودی تنظیموں کی مسلسل حوصلہ افزائی کی جارہی ہے کہ وہ مسجد اقصی کی شہادت اور ہیکل کی تعمیر کے لئے اپنے منصوبوں پر تیزی کے ساتھ عمل کرتی رہیں۔

۶: مسجد اقصی کے نیچے کھدائی کے ذریعہ اس کی بنیادوں کو کمزور بنادیا گیا ہے تاکہ کسی بھی وقت اس کو گرانے کا عمل آسان بن سکے اور آس پاس کے علاقے، خاص طور پر 'المغاربہ' علاقے سے ہر قسم کی اسلامی علامتوں اور آثار کو ختم کر دیا جائے، صہیونی یہود نے مسجد اقصیٰ پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے ہزار جتن کئے، مسجد اقصیٰ کی مغربی دیوار "دیوار براق" (حائط البراق) کو سرکاری تحویل میں لے لیا اور اس کے ساتھ متصل "المغاربہ" محلے کو ختم کر دیا اور اس کی اراضی کو سرکاری تحویل میں کر لیا، اب تک مسجد اقصیٰ کے زیرِ زمین دس مرحلوں میں کھدائیاں ہو چکی ہیں۔

۷: القدس سے ان تمام اسلامی اداروں اور تنظیموں کو نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے جن کی خدمات سے وہاں مقابلہ کرنے والے فلسطینی مسلمان مرد و خواتین فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۸: بیت المقدس کی ہزاروں سال کی تاریخ کو تبدیل کر کے یہودی رنگ میں رنگنے کا کام تیزی سے جاری ہے۔

۹: نمازیوں کو مسجد اقصی سے روکنے کے لئے ہر ممکن طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں، ایک مسلمان کو مسجد اقصی میں ایک نماز کی ادائیگی کے لئے طویل قانونی کاروائیوں اور مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، اور تمام کاروائیاں مکمل کرنے کے بعد بھی اس کو کسی بھی مرحلے پر بغیر کسی وجہ کے روکا جاسکتا ہے، اور نوجوانوں کے لئے تو مسجد اقصی میں جانا ہی ممنوع ہے۔

۱۰: کھدائی کے ذریعہ اور سرنگوں کے ذریعہ مسجد اقصی کے پورے حصے کو کھوکھلا کرنے کی منصوبہ بند کوششیں جاری ہیں تاکہ کسی بھی معمولی زلزلے کے وقت وہ از خود گر جائے۔

۱۱: پچیس (۲۵) صہیونی شدت پسند تنظیمیں ایسی ہیں جو مسلسل اس مقصد کیلئے کام کر رہی ہیں کہ مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے وہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کیا جائے، ان تنظیموں کے ذریعے مسجد اقصیٰ پر ۱۹۶۷ء سے ۱۹۹۸ء تک ایک سو بارہ ۱۱۲ سے زائد تخریب کارانہ حملے ہو چکے ہیں، ان میں سے بہتر (۷۲) حملے ۱۹۹۳ء کے اوسلو پیکٹ کے بعد ہوئے ہیں، مسجد اقصی پر یہودی شدت پسند تنظیموں کی طرف سے کئے گئے حملوں میں سب سے خطرناک اور مشہور ۲۱؍ اگست ۱۹۶۹ء کی آتش زنی کا واقعہ ہے۔

* * *

مسجد اقصی کو درپیش چیلنجز اور خطرات

مسجد اقصی کی جگہ مزعومہ ہیکل کی تعمیر کے لئے یہود کی مسلسل خطرناک کوششیں ایک دن کے لئے بھی منقطع نہیں ہوئیں، اس مقصد کے حصول کے لئے یہود دو (۲) سطح پر کام کررہے ہیں:

1. مسجد اقصی کو منہدم کرنے کی تیاری:

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے یہود دو طرح کے منصوبوں پر کام کررہے ہیں:

پہلا منصوبہ: یہود کے ذریعہ انفرادی اور اجتماعی طور پر **مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کرنے کی کوشش**؛ اس طرح کی کوششیں بارہا ہوتی رہیں، مثلًا: 21 ؍اگست 1969ء کو ”ڈینس مائیکل“ نے مسجد اقصی میں آتش زنی کا اقدام کیا، آگ نے مسجد کے فرش اور دیواروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، وہ منبر بھی آگ کی زد میں آگیا جس کو

یہودیوں کے ذریعہ مسجد اقصی کی بے حرمتی

۱۹۶۷ء میں یہود نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر اس کے تقدس کو پامال کیا، وہ غرور و تکبر اور نہایت بد تمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس طرح کے نعرے لگا رہے تھے: ”اونٹ پہاڑ کے نیچے آگیا، محمدؐ کا دین اب مٹ گیا“۔ نبوت کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے ہرزہ سرائی کررہے تھے کہ: (العیاذ باللہ) ”محمد مر گیا، اپنے پیچھے عورتیں چھوڑ گیا“۔ اس کے ذریعہ عربوں کی کمزوری اور شکست کا مذاق اڑا رہے تھے، چیخ چیخ کر چلا رہے تھے: ”خیبر---- خیبر“۔ یعنی: یہ خیبر کا انتقام ہے۔

”نورالدین محمود زنگیؒ“ نے بنوایا تھا اور ”صلاح الدین ایوبیؒ“ نے مسجد اقصی کو آزاد کرنے کے بعد اس کو وہاں نصب کیا تھا۔

مسجد اقصیٰ میں آتش زنی کے لئے بارہا دھماکوں کی بھی کوشش کی گئی، اس طرح کی کوششوں کا انکشاف 1980، 1982، 1984 میں ہوا، مسجد اقصی میں مسلمان پہرہ داروں نے یہود کی کئی ٹیموں کو مسجد کے صحن میں مسجد اقصی کو مکمل طور پر مسمار کرنے کی تیاری کرتے ہوئے پکڑا، جس کے لئے وہ بم اور NTT قسم کا دھماکہ خیز مواد استعمال کرنے والے تھے، اس کا انکشاف 1989 میں واضح ثبوت کے ساتھ ہوا ہے۔

دوسرا منصوبہ: مسجد اقصی کے نیچے مسلسل کھدائی اور سرنگیں بنانے کا کام:

اس منصوبے پر جون 1967 کی جنگ سے ہی کام شروع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس وقت یہود نے ”المغاربہ“ محلّہ (حی المغاربہ) مکمل طور پر منہدم کر دیا تھا تاکہ وہاں کی زمین ہر طرح کی کھدائی اور نقب زنی کے کاموں کے لئے تیار ہو جائے۔ قدیم القدس شہر کے اصلی باشندوں میں سے ایک بڑی تعداد کو جلاوطن کر دیا گیا، **اس کھدائی اور سرنگوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کے نیچے سے مٹی اور پتھروں کو کھوکھلا کر دیا جائے تاکہ موسمیاتی تبدیلیوں اور زلزلوں کی وجہ سے وہ ازخود گرنے کے لئے تیار ہو جائے،** حال میں اس کی وجہ سے مسجد اقصیٰ کی دیواروں میں مختلف قسم کی دراڑیں پڑ چکی ہیں اور مختلف جگہوں سے گرنے کے آثار ظاہر ہوئے ہیں، خاص طور پر جنوبی دیوار میں، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کی سو سے زائد قبروں کو کھدائی کے ذریعہ گرا دیا گیا، جو مسجد اقصی کی مغربی دیوار کے قریب تھیں، اس کے ساتھ ساتھ مسجد اقصی کے آس پاس مسلسل تعمیر کا کام جاری ہے تاکہ وہاں کے تمام آثار اور علاقوں کو تبدیل کر دیا جائے۔

2: تیسرے ہیکل کی تعمیر کی تیاری:

یہود اس طویل المدتی مقصد کے حصول کے لئے مختلف طریقے اختیار کر رہے ہیں جن میں سے خاص طور پر مندرجہ ذیل طریقے قابلِ ذکر ہیں:

- **مراسم کی ادائیگی کے لئے زبردستی مسجد اقصیٰ میں دراندازی کی کوشش:**

30 جنوری 1976ء کو ایک اسرائیلی عدالت نے یہودیوں کو یہ حق دیا کہ وہ مسجد اقصیٰ کے احاطے میں دن میں جب چاہیں مذہبی مراسم ادا کر سکتے ہیں، چنانچہ 15 اگست 1967 کو اسرائیل کا سب سے بڑا حاخام (یہودی مذہبی پیشوا) ”شلوموتمورین“ مسجد اقصیٰ کے صحن میں فوجی لباس پہن کر داخل ہوا، اس کے ساتھ بیس فوجی آفیسران تھے، یہودی مذہبی مراسم کی ادائیگی کے لئے صفوں میں کھڑے ہوئے، فوج کا ”باب المغاربہ“ کی چابی پر قبضہ کرادیا گیاتاکہ ”دیوار گریہ“ تک کبھی بھی پہنچنے کی راہ آسان ہو جائے (دیوارِ گریہ کے بجائے اس کا صحیح نام ”البراق دیوار“ ہے)۔ اسی طرح یہودی تنظیم ”کاخ“ کے لیڈر حاخام (مائیر کاہانا) نے 7 اگست 1984ء کو مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کی کوشش کی، اس نے اسرائیلی جھنڈا مسجد اقصیٰ میں بلند کیا، ہزاروں یہودیوں نے اس وقت مسجد اقصیٰ میں مذہبی شعائر ادا کئے، قدیم معبد کو توڑنے کی یاد کے پس منظر میں یہ کیا گیا، (ان کے عقیدے کے مطابق) 7 اگست کو ہی یہ قدیم معبد توڑا گیا تھا۔

- **یہود اور قدامت پسند عیسائی (پروٹسٹنٹ) فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے مذہبی جذبات بھڑکائے جاتے ہیں،** یہ کام میڈیا کے ذریعہ آثار قدیمہ کے

ماہرین کے توسط سے انجام دیا جاتا ہے، کھدائی کے ذریعہ وہ ہیکل اول اور ہیکل ثانی کے موجود ہونے کے جھوٹے دلائل دیتے ہیں۔

- **مسجد اقصیٰ کے مرکزی گیٹ کے قریب تیسرے ہیکل کے سنگ بنیاد کے طور پر وہاں ایک پتھر گاڑھ دیا گیا ہے۔** اس پتھر کا وزن 350 ٹن ہے۔ "امناء الھیکل" نامی تنظیم کے لیڈر "جرشون سلمون" نے اس حوالے سے کہا: "ہیکل کا سنگ بنیاد ایک جدید تاریخی عہد کا آغاز ہے"۔

اس نے مزید کہا: "اسلامی سامراج کا دور ختم ہو چکا ہے، ہم یہودی قوم کی آزادی کے لئے ایک نئے دور کا آغاز کرنا چاہتے ہیں"۔

مسجد اقصی کی شہادت اور تعمیرِ ہیکل کے لئے کوشاں یہودی تنظیمیں:

اس وقت تقریباً بیس ایسی یہودی تنظیمیں ہیں جو مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے کے لئے کوشاں ہیں، ان میں سے اہم ترین مندرجہ ذیل ہیں:

ا: "جوش ایمونیوم" تنظیم؛ جس کا مطلب ہے: "ایمان کا گروہ"۔ یہ تنظیم اپنے لئے یہ نام استعمال کرتی ہے: "صہیونی تجدیدی تحریک"۔

۲: "یشیفات اتریت کوھانین" تنظیم: یعنی کہنوتی تاج، ان کے تانے بانے پہلے فلسطینی حاخام "ابراہم یتس حامد کول" سے ملتے ہیں، اس تنظیم کے پاس ہیکل کی تعمیر کے لئے نقشے تیار ہیں۔

۳: "ہیکل کے ٹرسٹیز کی تنظیم" یہ تنظیم دیوار گریہ (حائط البراق) کے صحن میں یہودی مذہبی مراسم کی ادائیگی کی ذمہ دار ہے۔

۴: ''کاخ'' تحریک: ''کاخ'' کا مطلب ''بندوق'' ہے، اس تحریک کا بانی امریکی یہودی حاخام ''مائیر کاہانا'' ہے، اور ''واین جودمان'' بھی اسکی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، جس نے 1982/4/11م کو مسجد اقصیٰ پر حملہ کیا تھا، جس کی وجہ سے کئی مسلمان شہید اور زخمی ہوگئے تھے، 'کاہانا' نے اس کی طرف سے ہر عدالتی کاروائی کا سامنا کیا اور اس پر عائد مالی جرمانہ ادا کرکے اس کو رہائی دلوائی۔

صرف القدس شہر میں سات ایسی تنظیمیں کام کررہی ہیں جو مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل کی تعمیر کی تیاری کررہی ہیں۔

مسجد اقصیٰ میں آتشزنی کا واقعہ

۱۹۶۷ میں اسرائیل نے مشرقی القدس پر غاصبانہ قبضہ کیا جس میں مسجد اقصیٰ بھی ہے، ۱۹۶۹ ء میں ایک صہیونی آسٹریلیائی شہری ''ڈینش مایکل روہان'' -جو سیاحت کے لئے فلسطین آیا تھا- نے مسجد اقصیٰ کی مسجدِ قبلی میں آگ لگانے کا اقدام کیا، اس آگ نے مسجد اقصیٰ کے اہم حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، آگ پر جلدی ہی قابو پا لیا گیا، البتہ نورالدین زنگیؒ کا منبر آگ کی زد میں آگیا۔

فلسطینیوں نے مسجد کے بقیہ حصے کو آگ سے بچالیا، بظاہر اسرائیل نے مجرم کو گرفتار کرلیا اور یہ بھی دعوی کیا یہ مجنون اور پاگل ہے، اس کو آسٹریلیا بھیج دیا گیا، وہ آج بھی آسٹریلیا میں باہوش وحواس زندہ ہے، اس پر جنون کا کوئی اثر نہیں ہے۔

بہت سے دلائل و شواہد اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اسرائیلی انتظامیہ نے اس واردات میں تعاون کیا، اس لئے کہ آگ لگتے ہی حرم قدسی کے علاقے سے پانی کی تمام لائینیں کاٹ دی گئیں، عرب باشندوں اور آگ بجھانے والی گاڑیوں کو روکنے کی

کوشش کی گئی، فلسطینی عرب آگے بڑھنے میں کامیاب ہوئے اور انھوں نے آگ پر قابو پالیا۔ ماہرین اور انجینئروں کی رپورٹ کے مطابق آگ لگانے کی واردات میں ایک سے زائد انتہا پسند یہودی شریک تھے، اگرچہ انھوں نے اس کا ذمہ دار صرف ایک ہی شخص ”روہان“ کو قرار دیا اس لئے کہ اسی کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر گرفتار کیا گیا۔

اس آگ سے مسجد کے جو مزید حصے متأثر ہوئے ان میں یہ حصے قابلِ ذکر ہیں: صلاح الدین ایوبیؒ منبر، محرابِ زکریا، تین جھومر، دو مرکزی ستون، لکڑی کا گنبد، ۷۴ لکڑی کی کھڑکیاں اور تمام قالین، اسی طرح اندر کے ایک قبے کو اور جنوبی دیواروں کو بھی نقصان پہنچا، رنگین شیشے اور ۴۸ روشن دان بھی ٹوٹ کر گر گئے، مزید منقش کتبے اور قرآنی آیات بھی آگ کی نذر ہو گئیں۔

آگ نے مسجدِ قبلی کے تہائی یا چوتھائی حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، ایک عظیم اسلامی یادگار منبر خاکستر ہو گیا جس کو عظیم مسلمان قائد صلاح الدین ایوبیؒ نے اس وقت وہاں رکھوایا تھا جب ۱۱۸۷ء میں القدس کو صلیبیوں کے قبضے سے آزاد کرایا تھا۔

اردن کی وزارۃ الأوقاف کے تابع ’مسجد اقصی تعمیر کمیٹی‘ نے مسجدِ اقصی میں آگ کے تمام اثرات کو ختم کیا، اس کی ترمیم کی اور منبر صلاح الدین ایوبیؒ کو از سر نو بنایا۔

مسجد اقصی کے بارے میں اسلامی اور صہیونی کوششیں

بے شک صہیونیوں کی مسجد اقصی کو منہدم کرنے اور مزعومہ ہیکل کی تعمیر کی خفیہ اور منصوبہ بند کوششیں نہایت مضبوط اور خطرناک ہیں جن کو عالمی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل ہے، متعدد یہودی تنظیمیں ایسی ہیں جو ان ناپاک منصوبوں کی تکمیل کے لئے دن رات کام کر رہی ہیں، جب کہ اس کے مقابلہ میں عربی و اسلامی کوششیں

نہایت محدود ہیں اور مالی اعتبار سے تعاون بھی نہایت کم ہے، اور پھر عربی و اسلامی سطح پر جو کوششیں ہو بھی رہی ہیں وہ باہمی ترتیب و تنسیق سے بھی خالی ہیں جس کی وجہ سے کام منتشر اور مخصوص حالات کے وقت ہی ہوتا ہے، البتہ ادھر کچھ سالوں سے عربوں اور مسلمانوں کی کوششوں میں باہمی تعاون اور ترتیب دیکھنے میں آرہی ہے اور اب مسئلۂ فلسطین کی خدمت کے لئے اور صہیونی منصوبوں کو طشت از بام کرنے کے لئے کافی کام ہو رہا ہے، اللہ سے دعا ہے کہ مستقبل میں یہ کوششیں اور منظّم ہو جائیں۔

* * *

منصف مزاج غیر مسلم دانشوروں کا موقف

فلسطین میں اہلِ فلسطین کو جس ظلم وسفاکیت کا شکار ہونا پڑ رہا ہے، دینی اور اخلاقی اعتبار سے بھی اور ملکی وبین الاقوامی قوانین کے اعتبار سے بھی وہ سخت ترین جرائم کے زمرے میں آتا ہے، جس کا اظہار فلسطینیوں نے ہمیشہ کیا ہے اور مسلمان مصنفین ومؤلفین، صحافی وقلمکار اور قائدین ہر موقع پر اس ظلم کے خلاف آوازیں بلند کرتے رہے ہیں، لیکن اس ظلم وبربریت اور ناانصافی کے خلاف بذاتِ خود منصف مزاج یہود ونصاریٰ اور غیر مسلم مصنفین ومؤرخین نے نہایت واضح انداز میں آوازیں بلند کی ہیں، مندرجہ ذیل سطور میں نمونے کے طور پر چند منصف مزاج غیر مسلموں کی شہادتیں پیش کی جارہی ہیں تاکہ ہر انسان دوست اور رحمدل انسان یہ محسوس کرے کہ صہیونی ظلم کس قدر شدید ہے اور فلسطینی کس قدر مظلوم ہیں جن کی مدد ہر انسان کا انسانی واخلاقی فریضہ ہے:

- ‘ڈاکٹر مطران عطا اللہ حنا’[1] کہتے ہیں: ”مسیحی دنیا کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ فلسطین میں ہو رہے مظالم پر تماشائی بن کر خاموش رہے، مسیحیت تو ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ ہم اس دنیا میں ظلم وجور کا شکار مظلوموں اور بے سہاروں کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں“[2]۔
- ‘ریچرڈ فولک’[3] کہتا ہے:

”غزہ کے خلاف اسرائیلی اتحاد میں وہ ممالک بھی برابر کے شریکِ ظلم ہیں جن کو غزہ پر کئے جانے والے ان غیر قانونی حملوں میں اسرائیل کو حاصل ہونے والے فوجی سامان کا پورا علم تھا جس سامان میں جنگی جہاز اور میزائیل شامل ہیں، ان ممالک کے شریک ظلم ہونے میں تو کوئی شک نہیں جو غزہ کے محاصرے میں براہِ راست معاون اور شریک تھے“[4]۔

- ‘یوسی میلمان’[5] کہتا ہے:

”اسرائیلی فوجیوں نے خطرناک جرائم کا ارتکاب کیا جن میں قتلِ عام، عصمت دری Rape اور آبادیوں کو تہس نہس کرنا سب شامل ہے، مجھے ”ایریک ییتشا مکن“[6] نے بتایا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دسیوں عرب باشندوں کا قتلِ عام ہوتے ہوئے دیکھا جن کی بستیوں پر

---

[1] عیسائی مذہبی پیشوا، القدس میں آرتھوڈکس چرچ کے ترجمان، جو فلسطینیوں کی طرف سے دفاع کرنے میں مشہور و معروف ہیں۔

[2] بحوالہ: www.Palpress.ps ۲، جنوری ۲۰۰۹

[3] فلسطین میں اقوام متحدہ کی طرف سے نمائندہ برائے حقوق انسانی

[4] بحوالہ: www.aljazeera.net بدھوار، ۲، محرم الحرام ۱۴۳۰، ۳۰ دسمبر ۲۰۰۸

[5] ایک اہم اسرائیلی مؤلف، مؤرخ اور صحافی، اسرائیل کے فوجی امور کا ماہر تجزیہ نگار، اسرائیلی اخبارات کا کالم نگار اور کئی اہم کتابوں کا مصنف

[6] اسرائیل کا سابق وزیرِ زراعت اور ۱۹۴۸ کی جنگ میں ایک عسکری یونٹ کا کمانڈر

نقب کے علاقے میں اسرائیلی فوجوں نے قبضہ کیا، ان کے ہاتھوں کو باندھ کر رکھا گیا اور نہایت سفاکیت کے ساتھ ان پر فائرنگ کی اور ان کی لاشوں کو ایک مقامی کنویں میں پھینک دیا گیا“[1]۔

- ’ایلان بابہ‘[2] نے اپنی کتاب ”The Ethnic Cleasing of Palestine“ (فلسطین میں نسلی تطہیر) جنوری ۲۰۰۷ میں شائع کی، کتاب میں ان خوفناک جرائم کا انکشاف کیا گیا ہے جن کا ارتکاب صہیونیوں نے فلسطینیوں کی نسل کشی اور ان کی جلاوطنی کی غرض سے کیا تھا، مؤلف نے کتاب میں صاف گوئی اور انصاف سے کام لیا ہے اور اسرائیل پر ۱۹۴۸ کی جنگ سے لیکر اب تک نسل کشی اور انسانیت کے خلاف جرائم کے ارتکاب کے انکشافات کئے ہیں، ’ایلان بابہ‘ نے اس کی صراحت کی ہے کہ نسل کشی صرف جنگ کا حصہ نہیں تھی بلکہ ایک منصوبہ بند ایجنڈا اور ڈیوڈ بن غورین کے زیرِ قیادت اسرائیلی فوج کا ایک اہم ہدف تھا، ’ابن غورین‘ کو ایلان نے اپنی کتاب میں ”نسل کشی کا انجینئر“ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”۱۹۴۸ اور ۱۹۴۹ کے درمیان آٹھ لاکھ سے زائد فلسطینیوں کی جبری جلاوطنی عظیم تر اسرائیل کے قیام کے لئے صہیونی منصوبے کا ایک حصہ تھی“[3]۔

- ۱۹۴۸ میں فلسطینیوں کے حق میں اسرائیل نے جن جنگی جرائم کا ارتکاب کیا ہے ’مائیکل پولمبو‘ Michacl Palumbo نے اقوام متحدہ کی دستاویزات کی روشنی میں اور فلسطینی پناہ

---

[1] بحوالہ: الاسرائیلیوں الجدد، یوسی میلان، ص: ۷۷ ترجمہ: مالک البدیری، ناشر: دار الأھلیۃ للنشر، اردن

[2] ایلان بابہ: ایک اسرائیلی مؤرخ، حیفا یونیورسٹی میں سیاسی علوم کے پروفیسر، ”غفعات حیبا انسٹی ٹیوٹ برائے پیس ریسرچ“ کے ایکیڈمک ڈائریکٹر، حیفا میں ’امیل توما انسٹی ٹیوٹ برائے فلسطینی امور“ کے صدر ہیں، کئی تحقیقی کتابوں کے مؤلف ہیں۔

[3] تفصیل کے لئے دیکھیں: التطہیر العرقی فی فلسطین ”The Ethnic Cleasing of Palestine، ایلان بابہ، عربی ترجمہ: احمد خلیفہ، ناشر: مؤسسۃ الدراسات الفلسطینیہ، ۲۰۰۷

گزینوں کے ساتھ ملاقات کے بعد حالات سے واقف ہو کر ان تمام جرائم کی اپنی کتاب The Palestinian Catastrophe (فلسطینی المیہ) اشاعت ۱۹۸۷ میں تصدیق کی ہے اور ان کو صحیح قرار دیتے ہوئے اسرائیلی مظالم اور سفاکیت کی پول کھول دی ہے[1]۔

- معروف یہودی ''اسرائیل شاحاک'' نے 'صہیونی عقیدہ میں جلاوطن کرنے کا تصور' کے موضوع پر ایک تحقیقی کتاب ''الترانسفیر في العقیدة الصهیونیة'' لکھی ہے، جس میں فلسطینی سرزمین (جس کو یہودی اسرائیل کا نام دیتے ہیں) سے غیر یہودیوں کو بزور جلاوطن کرنے پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور اس سلسلہ میں یہودیوں کے نزدیک مقدس محرف توراتی نصوص اور تلمود سے دلائل پیش کئے گئے ہیں، شاحاک نے اپنی اس کتاب میں اس کی صراحت کی ہے کہ یہودیوں کے منصوبے میں صرف مسلمان عرب فلسطینیوں کو جلاوطن کرنا ہی شامل نہیں ہے بلکہ عرب عیسائیوں کو جلاوطن کرنا بھی ان کے ایجنڈے میں شامل ہے[2]۔
- برطانوی مؤرخ ''ادغار اوبلانس'' Edgar o>balance رقمطراز ہے: ''یہودیوں کی سیاست اور حکمت عملی یہ رہی ہے کہ (فلسطینی) عربوں کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا جائے، اس لئے انہوں نے ان تمام لوگوں کو ان کی بستیوں سے جلاوطن کر دیا جو اپنے اپنے علاقوں کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے''[3]۔
- یہودی مصنف 'ہاری لیون' Harry Levin نے ۱۵؍ مئی ۱۹۴۸ کو القدس میں صہیونی گاڑیوں پر لاؤڈ اسپیکر سے جو اعلانات سنے اس کو محفوظ کیا ہے اور اس کے

---

[1] The Palestinian Catastrophe: The 1948 Expulsion of a people from their homeland. By: Michacl Palumbo,London: Faber and Faber, 1987

[2] دیکھیں: الترانسفیر في العقیدة الصهیونیة، مؤلف: اسرائیل شاحاک، ناشر: دار البیضاء، قاہرہ، ۱۹۹۰

[3] The Arabe-Israeli War, 1948, by: Edgar o>balance, page: 63 London: Feber and Feber, 1956

بارے میں لکھتا ہے کہ فلسطینیوں کے لئے اس طرح کے اعلانات کئے جا رہے تھے: "اپنی عورتوں اور بچوں پر رحم کھاؤ، ان کو اس خون کے سمندر سے نکال لو۔ "اریحا" کے راستے سے نکل جاؤ، وہ راستہ ابھی تمہارے سامنے کھلا ہوا ہے، اگر تم یہیں باقی رہے تو تم اپنے خلاف ایک مصیبت کو دعوت دو گے"۔ [1]

- ایک اور یہودی مصنف "جای کیوحی" خود اقرار کرتا ہے جو کہ 'حیفا' میں عرب محلوں میں گیا اور اس نے اپنی آنکھوں سے یہودیوں کی حیوانیت پر مبنی دہشت گردی کا مشاہدہ کیا جو انہوں نے فلسطینی عربوں کے حق میں کی تھی تاکہ وہ شہر چھوڑ کر بھاگ جائیں، وہ لکھتا ہے:

"عرب (فلسطینیوں) نے حیفا کو سخت خوف اور دہشت کی حالت میں چھوڑا، میں بازار میں گیا تو میں نے افراتفری کی وہ حالت اپنی آنکھوں سے دیکھی جس میں انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑا تھا، اکثر لوگ ہر قیمتی ساز وسامان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے تھے"۔ [2]

✦✦✦

---

[1] حرب القدس، ص: ۱۶۰، ہاری لیون، مطبوعہ: لندن

[2] دیکھیں کیف طرد الفلسطینیون فی عام ۱۹۴۸، میخائیل بالبور، ص: ۳۷، ناشر: دارالحمراء، بیروت، ۱۹۹۰

ارضِ فلسطین کے متعلق ایک مسلمان کے فرائض وذمہ داریاں

مسجد اقصی اور اہل فلسطین کی مدد کیسے کریں؟

ارض فلسطین کے بارے میں وارد شدہ آیات واحادیث کے مطالعہ کے بعد ایک مسلمان پر اس سرزمین سے متعلق بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ہر مسلمان کی غیرت ایمانی اس کو بار بار مسجد اقصی، القدس اور سرزمین فلسطین اور اہلِ فلسطین کے بارے میں یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ان کی نصرت ومدد کی جائے، ہر مسلمان اس المناک مسئلہ کا تذکرہ کرتا ہے، اہلِ فلسطین کی زبوں حالی پر خون کے آنسوں روتا ہے، لیکن اکثر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عملی طور پر ایک مسلمان کیا کرسکتا ہے، اور ہم اپنے فلسطینی بھائیوں کی مدد کیسے کر سکتے ہیں؟ اس لئے مندرجہ ذیل سطور میں چند ایسے عملی کام بتائے جارہے ہیں جن پر عمل کرنا ہمارے لئے صرف ممکن ہی نہیں بلکہ از حد ضروری ہے:

فرد کی حیثیت سے:

- فلسطینی مسلمانوں کی جان ومال کے ذریعہ نصرت ومدد کرنے کی سچی نیت اور ہر وقت اس کا استحضار رکھا جائے۔
- روزانہ قبولیتِ دعا کے اوقات میں خاص طور پر مسجد اقصی اور اہلِ فلسطین کے لئے دعا کا اہتمام کیا جائے۔
- اگر تقریر وخطابت کی صلاحیت رکھتے ہیں تو ہر تقریر میں اس مسئلہ کا ضرور تذکرہ کریں، اگر قلمکار ہیں تو اس مسئلہ پر مسلسل لکھیں، اگر معلم واستاد ہیں تو طلباء میں اس مسئلہ کا شعور

پیدا کریں، اس مسئلہ پر اس موضوع سے متعلق طلباء میں تقریری، تحریری پروگرام کرایا جائے۔

- اسرائیل اور اس کے ہمنواؤں کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں، اس لئے کہ بائیکاٹ نہ کرنے کی صورت میں ہم اہلِ فلسطین کا خون کرنے اور اسرائیل کو مضبوط کرنے میں معاون بنتے رہیں۔
- اہلِ فلسطین کے ساتھ محبت وشفقت کا اظہار کریں، ہر ممکن طریقے سے ان کے حالات سے دوسروں کو واقف کرانے کی کوشش کریں۔
- مالی تعاون کے سلسلے میں مسئلہ فلسطین کے لئے بجٹ متعین کریں، اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو، گھر میں روزانہ ایک ایک دو دو روپے گھر کے تمام افراد جمع کرتے رہیں۔
- گھر والوں اور متعلقین کو اس بات پر آمادہ کریں کہ کسی فلسطینی شہید کے گھر والوں کی کفالت میں، یا کسی یتیم کی کفالت میں حصہ لیں، اس بات کا استحضار رہے کہ خیر کی جانب رہنمائی کرنے والا خیر کا کام کرنے والے کی طرح ہے۔
- بیت المقدس اور فلسطین کی تاریخ کے سلسلے میں خود بھی مطالعہ کریں، دوسروں کو بھی مطالعہ پر آمادہ کریں، کسی کو اس سے متعلق کتاب ہدیہ کریں، قرآن میں یہود کے حوالے سے تفصیلات پڑھیں، اور یہود سے اچھی طرح واقف ہونے کی کوشش کریں۔
- ایک مسلمان اس فکر و تصور کے ساتھ ہر لمحہ بسر کرے کہ یہ مسئلہ مسلمانوں کا اہم ترین اور مقدس ترین مسئلہ ہے اور بیت القدس کو یہودیوں سے آزاد کرانا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔
- اہلِ فلسطین کے کارناموں اور ان کی بہادری کے واقعات اپنے گھر والوں اور متعلقین کو سنائیں۔
- اس نیت سے روزہ رکھیں یا قیام اللیل کریں کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا کا اہتمام کریں گے۔
- مندرجہ ذیل امور سے خاص طور پر واقف ہونے کی کوشش کریں:

- مسجد اقصی کی بازیابی اور اہلِ فلسطین کی مدد کا شرعی حکم۔
- اسرائیل کے ساتھ صلح یا موالات و دوستی کا حکم۔
- فلسطین کو آزاد نہ کرنے اور یہود کے حوالے کرنے کے خطرناک نتائج۔
- عالمی سطح پر اس مسئلہ کی وجہ سے سیاسی، ثقافتی، اقتصادی، معاشرتی اور عسکری اثرات۔

گھر اور خاندان کی حیثیت سے :

- کسی تفسیر کی مدد سے سورۂ بنی اسرائیل (الاسراء) اور سورۂ حشر کا اجتماعی مطالعہ۔
- پورے گھر کی طرف سے مالی تعاون کی کوئی شکل۔
- بچوں کو فلسطین کی سرزمین کی اہمیت و تقدس سے واقف کرانے کی ہر ممکن کوشش۔
- مائیں بہنیں اپنے بچوں میں مسجد اقصی کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں، اس کے لئے سیرت، تاریخ، ترانوں اور دیگر چیزوں کو ذریعہ بنائیں۔
- گھر میں اہم پراگراموں کے مواقع پر اس مسئلہ کو ضرور یاد رکھنے کی کوشش کریں۔
- فلسطین سے متعلق پروگراموں میں گھر کے تمام افراد کو شریک کرنے کی کوشش کریں۔
- فلسطینی مصنوعات کو خرید کر فلسطینی شہداء کے اہلِ خانہ اور ضرور تمندوں کا تعاون کریں۔
- گھر میں اپنی لائبریریوں میں ایک گوشہ خاص کریں جس میں فلسطین سے متعلق کتابیں، کیسٹ، پمفلٹ، رسالے موجود ہو۔
- گھر میں فلسطین سے متعلق مختلف تصاویر، تحریریں آویزاں رکھیں۔

امت اور جماعت کی حیثیت سے :

- گاہے بگاہے مختلف پروگراموں کا انعقاد کریں، جن کے ذریعہ امت میں بیداری پیدا ہو اور باطل کو یہ معلوم ہو کہ امت اس مسئلہ سے غافل نہیں ہے۔

- اپنے اداروں، کمپنیوں یہاں تک کہ بعض مصنوعات کا نام فلسطینی شہروں، مقدسات اور شخصیات کے نام پر رکھیں، اس لئے کہ صہیونی اس سے متعلق ہر قسم کی علامتوں کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔
- فلسطین کے بے یارومددگار زخمیوں، یتیموں، بیواؤں، بے گھروں، جیل کی کال کوٹھریوں میں تعذیب اور درندگی کا نشانہ بننے والوں کے لئے مالی، قانونی اور سیاسی ذرائع کا استعمال کریں۔
- ایسے اداروں کا تعاون کریں جو اہلِ فلسطین کی مدد کے لئے خاص ہیں۔
- بے گھر فلسطینیوں کو اپنے ممالک میں آنے کی سہولیات فراہم کریں، ان کے قیام، تعلیم اور ملازمت کے انتظام کی اجتماعی کوشش کریں۔
- فلسطین، لبنان، اردن میں فلسطینی مہاجرین کے کیمپوں کا دورہ کریں تاکہ ان کے حالات سے واقفیت ہو۔
- لائبریریوں میں اور خاص طور پر مساجد کی لائبریریوں میں فلسطین سے متعلق مخصوص گوشے میں فلسطین سے متعلق لٹریچر فراہم کریں۔
- مساجد میں قنوت اور دعاؤں کا اہتمام کریں۔
- تعارفی بینرز، پمفلٹس، کتابوں کی طباعت کا اہتمام کریں۔
- انٹرنیٹ کے ذریعہ ویب سائٹس، بلاگز، پیجز، بنا کر سوشل میڈیا کے ذریعہ اس مسئلہ کو اجاگر کرنے کی منصوبہ بند مہم چلائیں۔

....

یہ چند اہم عملی کام ہیں جن کو انجام دینے کی ہر مسلمان کو ہر سطح پر ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے، اگر ہم بیت المقدس کو پامال کرنے والے ظالم صہیونیوں کو براہِ راست روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں تو کم از کم یہ کام انجام دینا ہمارے بس میں

ہے، ہم یہ یاد رکھیں کہ مسجد اقصی کی بازیابی ہر مسلمان پر فرض ہے، اور اہلِ فلسطین اسی صورت میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں جب پوری امت تمام وسائل کے ساتھ ان کی پشت پناہی کرتی رہے، صرف افسوس کے بجائے عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔

* * *

بلا شبہ القدس ہمارے لئے دین و وطن بھی ہے اور تاریخ و ثقافت بھی، وہ ہمارا ماضی اور حال بھی ہے اور ہمارا مستقبل بھی، فلسطین؛ القدس کے لئے حفاظتی دیوار اور بیرونی کھول کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن القدس سے ہی فلسطین کی اصل شناخت اور اس کی وجہ سے ہی فلسطین کو مقام و اہمیت حاصل ہے، اس اعتبار سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ فلسطین؛ القدس سے ہے، نہ کہ القدس؛ فلسطین سے۔

اس لئے فلسطین کی حفاظت و بازیابی کی ذمہ داری صرف وہاں کے باشندوں کی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کی ہے، گمشدہ فردوسِ ثانی کی بازیابی کی ذمہ داری۔

باب پنجم

مسئلہ فلسطین کا مستقبل
پیش گوئیوں کے تناظر میں

قرآن و سنت کی پیشن گوئیاں

فلسطین میں صہیونی منصوبوں کا ناکام ہوجانا نہ صرف ممکن ہے بلکہ ایک واقعاتی حقیقت ہے، صہیونی ریاست کا زوال ایک ربانی فیصلہ ہے، غاصب اسرائیل کے مقابلہ میں اہلِ ایمان کی فتح وکامرانی کے بہت سے خوشخبری دینے والے دلائل موجود ہیں جو کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، تاریخ اور موجودہ صورتحال سے مأخوذ ہیں، مندرجہ ذیل سطور میں ان چاروں میں سے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

ا: قرآنِ مجید- جس میں باطل کی آمیزش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے- کی مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ فرمائیں:

❖ اسرائیل کے زوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے، ارشادِ ربّانی ہے: "وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا (4) فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا (5) ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا (6) إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا (7) عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا(8)"-(سورة الإسراء، الآيات 4-8)- ترجمہ: "ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کو یہ فیصلہ سنا دیا تھا کہ تم روئے زمین پر دو مرتبہ بڑا فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے، آخر کار جب ان میں پہلی مرتبہ کے وعدے کے پورا ہونے کا وقت آگیا تو ہم نے تمہارے مقابلے پر اپنے ایسے بندے مسلط کئے جو علاقوں میں گھستے چلے گئے اور یہ وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا، پھر ہم تمہیں ان پر پلٹنے کا موقع دیں گے اور مال اور اولاد کی

خوب ریل پیل کریں گے اور تمہاری تعداد بڑھا دیں گے، پھر اگر تم اچھا رویہ اختیار کروگے تو خود اپنے لئے کروگے اور بدی کا رویہ اختیار کروگے تو اس کا نتیجہ بھگتوگے، پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آئے گا کہ جب تمہارے دشمن تمہارے چہرے بگاڑ دیں گے اور مسجد میں داخل ہوں گے جس طرح پہلے داخل ہوئے تھے اور تمہارا سارا اقتدار تباہ کریں گے"۔ (سورۂ بنی اسرائیل ۴-۸)

❖ اہلِ حق کی نصرت ومدد کے بارے میں اللہ کا وعدہ ہے: "إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ"۔ (سورہ غافر: 51) ترجمہ: "یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازما کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے"۔

❖ تقوی شعار لوگوں کے انجام کو یوں بیان کیا گیا ہے: "فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ"۔ (سورہ ھود: 49(ترجمہ: "پس صبر کرو، انجام کار متقیوں ہی کے حق میں ہے"۔

❖ ایک جگہ ارشاد ہے: "**وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ**"۔)سورہ اعراف: 167(ترجمہ: "اور یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے اعلان کردیا کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے، یقینا تمہارا رب سزا دینے میں تیز دست ہے، اور یقینا وہ درگزر اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے"۔

۲ : اللہ کے آخری رسول ﷺ جن کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف اللہ کی طرف سے وحی منزل ہے، وہ بھی صہیونی زوال کی بشارت دیتے ہیں:

❖ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے صحیحین میں یہ روایت نقل کی ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ «لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ

الْيَهُودَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللَّهِ هَذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ. إِلاَّ الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ''۔ ''اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ مسلمان یہود سے قتال نہ کریں اور مسلمان یہود کو جنگ میں اس قدر زیر کردیں کہ یہودی پتھر اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے اور وہ (پتھر اور درخت) بھی کہیں گے کہ اے اللہ کے بندے! یہ ہے میرے پیچھے چھپا ہوا یہودی، آؤ اس کو قتل کرو، سوائے ایک 'غرقد' درخت کے، وہ نہیں بتائے گا، اس لئے کہ وہ یہود کا درخت ہے''۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: 7523)

❖ حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ لَعَدُوِّهِمْ قَاهِرِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ إِلَّا مَا أَصَابَهُمْ مِنْ لَأْوَاءَ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَأَيْنَ هُمْ قَالَ: بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ وَأَكْنَافِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ''۔ (مسند احمد(22374) 269/5) ترجمہ: ''میری امت میں سے ایک گروہ مسلسل حق پر قائم اور اپنے دشمن پر غالب رہے گا، جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، سوائے اس کے جو ان کو آزمائش لاحق ہو، وہ اسی حال پر رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کہاں پر ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: بیت المقدس میں اور بیت المقدس کے آس پاس''۔

❖ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى أَبْوَابِ دِمَشْقَ وَمَا حَوْلَهُ، وَعَلَى أَبْوَابِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَمَا حَوْلَهُ، لا يَضُرُّهُمْ خِذْلانُ مَنْ خَذَلَهُمْ، ظَاهِرِينَ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ". (المعجم الأوسط للطبراني 19/1 مسند أبي يعلى 302/11(6417) مجمع الزوائد 60/10) ترجمہ: ''میری امت میں سے ایک گروہ مسلسل دمشق کے دروازوں پر اور اس

کے آس پاس، اور بیت المقدس کے دروازوں پر اور اس کے آس پاس جہاد کرتا رہے گا، ان کو بے یار ومددگار چھوڑ دینے والا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے، قیامت برپا ہونے تک وہ غالب رہیں گے“۔

- ❖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ وَلَنْ تَزَالَ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ".(مسند أحمد 436/15635,3) ترجمہ: ”جب اہلِ شام میں فساد برپا ہو جائے تو تم میں کوئی خیر باقی نہیں رہے گا، میری امت میں سے مسلسل ایک طائفہ (گروہ) ایسا رہے گا جن کے ساتھ ہمیشہ اللہ کی مدد رہے گی جو ان کو بے یار ومددگار چھوڑ دے گا وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا“۔ (مسندِ احمد)۔

۳: جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے تو تاریخ نے یہ ثابت کیا ہے کہ بیت المقدس اور فلسطین پر ماضی میں بہت سی قومیں مختلف ادوار میں قابض ہوتی رہی ہیں، جیسے کہ فارسی، رومی، صلیبی، تاتاری وغیرہم، لیکن مسلمانوں نے ہمیشہ ان قابض قوموں کو نکال باہر کر دیا اور وہ سب زوال کا شکار ہو گئیں، لہٰذا اسرائیلی سامراج بھی ماضی کے دیگر سامراجوں کی طرح زوال تک پہنچ کر رہے گا۔

اس کائنات میں ربانی سنتیں اور تاریخی تجربات اس بات پر شاہدِ عدل ہیں کہ ظلم کو کبھی دوام نہیں ملا ہے اور اللہ سے بغاوت کرنے والوں پر آفتیں آیا کرتی ہیں اور کسی کا حق کبھی رائیگاں نہیں جاتا ہے۔

۴: جہاں تک موجودہ صورتحال کا تعلق ہے تو دنیا کے غیور مسلمانوں نے اور خاص طور پر فلسطین کے جیالوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ارضِ فلسطین کے کسی بھی حصے سے دستبردار ہونے اور غاصب اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرنے کے لئے ہر گز تیار نہیں ہوں گے، فلسطینیوں

کی بہادری وجوانمردی اور اسرائیل کی خوف و بزدلی کی حالت ایک خوش کن پیغام ہے، حماس کے سامنے اسرائیل کی بے بسی خود ایک خوشخبری ہے کہ اسرائیل کا زوال بہت قریب ہے اور وہ دن دور نہیں جب مسلمان مسجد اقصی، القدس اور فلسطین میں غالب و سربلند اور فاتح ہو کر اللہ کی کبریائی بیان کرتے ہوئے داخل ہوں گے۔

اسلام ہی واحد حل

دین اسلام سلامتی کا دین ہے، اللہ خود ''السلام'' ہے، ملاقات کرتے ہوئے مسلمانوں کے کلام کا آغاز سلام ہی سے ہوتا ہے، جنت بھی ''دارالسلام'' (سلامتی کا گھر) ہے، اسلام میں دیگر اقوام کے ساتھ تعلقات کیلئے جو تعلیمات ہیں ان کا دائرہ کافی وسیع ہے، پرامن بقاء باہمی کا اصول، اسلام کا اہم اصول ہے، دوسروں سے معاملات کرتے ہوئے اسلام نے اس اصول کی ترغیب دی ہے کہ احسن طریقے سے معاملات حل کئے جائیں، اسلام ''دہشت گردی'' اور بے گناہوں کے ناحق قتل کے خلاف ہے، علاوہ ازیں اسلام دین حق بھی ہے اور سراسر عدل اور حریت و آزادی پر مبنی دین بھی ہے، اس لئے اس دین کے پیروکار اپنے اوپر ظلم برداشت نہیں کرتے اور نہ ہی کسی پر ظلم کرتے ہیں۔

مسلمان دین کے بارے میں ذلت و رسوائی کو برداشت نہیں کرتے ہیں، اور اپنے دین، عزت، ناموس، مقدسات اور اراضی پر وہ اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ چیز بخوشی قربان کر دیتے ہیں، فلسطین میں اس وقت تک امن و سلامتی قائم نہیں ہو سکتی ہے جب تک اہل فلسطین پر ظالمانہ معاہدے ٹھونسے جاتے رہیں گے، ان کے حقوق سلب ہوتے رہیں گے اور وہاں کے اصل باشندے مہاجرت کی زندگی گزارتے رہیں گے، ایسے ظالمانہ معاہدوں سے وقتی سیاسی مقاصد تو حاصل کئے جا سکتے ہیں، اس لئے کہ وہاں کے شہریوں کو کمزور اور ضعیف سمجھ لیا گیا ہے، لیکن ایسے معاہدوں سے فلسطین میں مستقل امن کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ آزادئ

فلسطین کا جہاد فرض رہے گا اور ہر باعزت شخص کیلئے ایک اعزاز اور آبرو مندی کی علامت رہے گا، صہیونی اور مغربی مزاحمت سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہ میڈیا تو الفاظ واصطلاحات کے ساتھ کھلواڑ کرکے حقوق کی جنگ کو ”دہشت گردی“ اور مظلوم کے ترکِ مزاحمت کو ”امن“ کہتا ہے۔

اسلام ہی آزادیٔ فلسطین کا نقطہ آغاز:

بلاشبہ فلسطین کی آزادی اور صہیونیوں کی قوت کو منتشر کرنے کیلئے اسلام ہی کو نقطۂ آغاز اور رہبری ورہنمائی کا مصدر ومنبع سمجھنا چاہیے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص اور سچے بندوں کی نصرت کا ذمہ لیا ہے، علاوہ ازیں پوری امت مسلمہ کا عقیدہ بھی اسلام ہے، اسی میں امت کیلئے خیر وفلاح مضمر ہے، اور اسلام ہی میں یہ کشش اور قدرت ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو متحد اور ان کی طاقت کو یکجا کرسکتا ہے۔

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اسلام کی وجہ سے ہی انہیں پہلے بھی آزادی نصیب ہوئی ہے، چاہیئے القدس کو فتح کرنے میں یا صلیبیوں اور تاتاریوں سے اس کو آزاد کرنے میں، اسی طرح قدیم وجدید تاریخ نے یہ بھی ثابت کردیا کہ اسلام کے علاوہ دوسرے تمام نظریات ناکام ہی ہوئے ہیں۔

مسئلۂ فلسطین کے اسلامی حل کے اہم نکات:

اسلامی نقطۂ نظر سے فلسطین کی آزادی کی تحریک کے نکات درج ذیل ہو سکتے ہیں:

ا: اسلام ہی کو اپنا عقیدہ اور منہج حیات بنایا جائے، تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق طے کیئے جائیں۔

۲: آزادئ فلسطین کی قیادت ایسی اسلامی شخصیت کے پاس ہو جو معاملات سے نبرد آزما ہونے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو، جو پختہ ارادہ اور نیت صادقہ کے ساتھ صہیونی عزائم کا توڑ کرنا جانتا ہو۔

۳: صہیونی یہودی دشمن کے خلاف تحریک کا دائرہ صرف فلسطین تک محدود نہ رہنے دیا جائے، بلکہ پورے عالم اسلامی میں صہیونی عزائم کو نمایاں کرنے کے بعد پورے عالم اسلامی کو اس مسئلہ کا فریق ثابت کیا جائے، اسے صرف فلسطینی مسئلہ یا عرب اسرائیل مسئلہ تک محدود نہ رکھا جائے، اس لئے کہ ارض فلسطین کی آزادی تمام مسلمانوں پر فرضِ عین ہے، کیونکہ صہیونی منصوبے صرف فلسطین کی سرزمین تک محدود نہیں ہیں بلکہ پوری دنیا میں صہیونی مقاصد کا نفاذ بڑے منظّم انداز میں ہو رہا ہے، لہٰذا اس بین الاقوامی مسئلہ کی مزاحمت ہر سطح پر ضروری ہے۔

۴: تحریک آزادئ فلسطین اور فلسطینی قوم کی ہر سطح پر مدد کی جائے اور تمام وسائل کے ذریعہ ان کو مزاحمت پر قادر بنایا جائے، کیونکہ فلسطین ارضِ رباط اور خطِ دفاع ہے جہاں ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا ہے، ایسے مقام پر اگر ایک دفعہ دشمن اسلامی قلمرو میں گھس آئے تو دوسرے علاقوں میں گھسنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے امت مسلمہ کے لئے اس سرزمین کا دفاع ضروری ہے، تاکہ اس کی ارضِ مقدسہ محفوظ اور جہاد و ثبات کا سلسلہ جاری رہے۔

۵: تمام مسلم خطوں میں سیاسی، اقتصادی اور ٹیکنالوجی کے لحاظ سے اعلیٰ صلاحیتیں اور استعداد پیدا کی جائے جو تبدیلی اور ترقی کی راہیں ہموار کرسکیں، تاکہ مسلمان بذاتِ خود آزادی اور جہاد کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں، اور دنیا کی امامت وخلافت اور انسانیت کی رہبری ورہنمائی کے مقام پر فائز ہو سکیں۔

مسلمان یہودی دین کے دشمن نہیں:

مسلمان یہودیوں کے خلاف جہاد اس لئے نہیں کرتے کہ کوئی شخص یہودی ہے، اسلام میں اہل کتاب اور اہل ذمہ بلکہ ہر پر امن شخص کے ساتھ سیاسی تعلقات کی تعلیمات

موجود ہیں، اسلام ان کے ساتھ عدل و احسان کرنے کا حکم دیتا ہے، انہیں مذہبی رسومات ادا کرنے کی آزادی ہوتی ہے، اور (عہد کرنے کے بعد) انہیں ویسے ہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جیسے مسلم شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

جہاں تک ''مسئلہ یہود'' اور ''سامی نفرت'' کا تعلق ہے تو اسلام اپنی طویل تاریخ میں ایسی اصطلاحات سے ناواقف رہا ہے، کسی خاص نسل سے نفرت اور کسی قوم کا قتلِ عام یورپ کی سوغات ہے، یہودی، اسلامی عملداری والے علاقوں میں صدیوں رہے ہیں لیکن وہاں انہیں ایسی کوئی مشکلات نہیں پیش آئیں جو انہیں یورپ میں رہتے ہوئے پیش آئی ہیں۔

بلا شبہ مسلمانوں کا جہاد صہیونیوں کے خلاف ہے جو ایک متعصب، نسل پرست اور تشدد پسند تحریک ہے، جس نے فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے، وہاں کے اصل باشندوں کو ہجرت پر مجبور کیا، انہیں بے وطن کیا، ان کے مقدسات کو پامال کیا۔ مسلمان ہر اس فرقے یا جماعت کے خلاف عَلم جہاد بلند کرتے رہیں گے جو ان کی اراضی پر قابض ہوتا ہے، خواہ اس کا مذہب یا نسل کوئی بھی ہو۔

عالمی طاقتوں کا جانبدارانہ کردار:

مسئلۂ فلسطین صرف سیاسی مسئلہ نہیں بلکہ انسانوں کو پیش آنے والے بہت سے مسائل سے عبارت ہے، حقوق انسانی کا واویلا کرنے والوں کے سامنے لاکھوں مظلوموں کی آہ و بکاء ان کی جانبداری اور جدید عالمی نظام (نیو ورلڈ آڈر) کے دوہرے معیار کے نفاق کا پردہ چاک کر رہی ہے، ترقی یافتہ ممالک کے سامنے جہاں حیوانات کے حقوق کی بات ہو رہی ہے وہاں ۶۴ لاکھ سے زائد انسانوں کا سوال ہے، جن سے ان کا وطن بزور قوت چھین کر ان کو ننگے آسمان تلے رہنے پر مجبور کر دیا گیا ہے، اور ان بے وطن کیئے گئے مظلوموں کی زمین پر یہودیوں کو دنیا کے کونے کونے سے لا کر بسایا گیا ہے، ایک ایسے دعوے کو بنیاد بنا کر جو سراسر جھوٹ ہے جس کی نہ

تاریخی حقیقت ہے اور نہ دینی (توراتی) شہادت ہے اور نہ ہی بین الاقوامی قوانین میں اس کی کوئی گنجائش ہے، حالانکہ فلسطینی قوم نے اس سرزمین کو ساڑھے چار ہزار سال سے آباد کر رکھا تھا، اب عالمی طاقتوں کے ظالمانہ اور دوھرے معیار کے نتیجے میں اس مقدس زمین پر خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں جس کو محبت وسلامتی کی سرزمین ہونا چاہیئے تھا۔

فلسطین میں صہیونی ریاست 'اسرائیل' مغربی استعمار کی بدنما شکل کی صورت میں قائم ہے، مسلم آبادی والے دوسرے خطوں سے تو استعمار کو نکلنا پڑا، ضروری ہے کہ آج یا کل اس انسانی المیے کو حل کرنے کیلئے پوری انسانیت کھڑی ہو جائے۔

پوری امت کو مسئلۂ فلسطین سے جوڑنے کی ضرورت

متعدد تنظیمیں اور ادارے مسئلہ فلسطین کی نصرت و حمایت اور بیت المقدس کے باشندوں کو وہاں ثابت قدم رکھنے اور باقی رکھنے کے لئے مختلف سطح پر کام کر رہے ہیں، القدس کے حوالے سے ہونے والی کوششوں کو مرتب و منظّم کرنے کے لئے سالانہ ایک کانفرنس کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے، اوراس موضوع سے متعلق مختلف مقامات پر کانفرنسیں، سیمینارز اور ورکشاپس کئے جاتے ہیں، لیکن مسئلۂ فلسطین کی نصرت و حمایت کے حوالے سے پورے عالم اسلام میں روزانہ ہر سطح پر مختلف منصوبوں پر کام ہونا چاہیئے، پوری امت اس مسئلہ سے مربوط ہو، تمام مسلمان فلسطینیوں کی نصرت میں شریک ہوں، وہ القدس کے مسئلہ کو محسوس کریں اور وہاں یہود کے غاصبانہ قبضے کو ختم کرنے کی ضرورت کو محسوس کریں، کیونکہ بہت سے مسلمان تو اس مسئلہ سے بالکل ہی ناواقف ہیں، بہت سے اس کو ایک قومی مسئلہ سمجھتے ہیں جس کا امت مسلمہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے پوری امت میں بیداری پیدا کرکے تمام مسلمانوں کو اس مسئلہ سے مربوط کرنے کی ضرورت ہے۔

یہودیوں کی قوت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی غلطی:

دنیا میں صہیونی قوت ایک مسلمہ حقیقت ہے، بین الاقوامی مالیاتی امور ہوں یا سیاسی معاملات، یا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا، ہر جگہ پسِ پردہ صہیونی منصوبہ کارفرما ہے، امریکہ میں صہیونی اثر و نفوذ سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ہے، اگرچہ صہیونی آج قوت میں ہیں، لیکن یہ تفوق ناقابلِ تسخیر نہیں ہے اور یہودیوں کی قوت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا مناسب نہیں ہے، یہ خیال بھی غلط ہے کہ دنیا کے ہر چھوٹے بڑے واقعے کے پیچھے صہیونی ہوں گے، ان کی قوت اللہ کی قوت پر غالب نہیں ہے اور نہ ہی وہ بشریت کی سرحدوں سے آگے نکل سکتے ہیں، وہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں، قوموں کے عروج و زوال کے قوانین ان پر بھی نافذ العمل ہیں، اگرچہ۔ اللہ کے فیصلے کے مطابق۔ محنت و کوشش اور اعلیٰ تنظیم کی وجہ سے وہ ترقی کر رہے ہیں، لیکن تاریخِ اقوام میں ان کو ادبار و زوال کے حالات کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے، اگر صہیونی آج قوت میں ہیں تو اس میں امتِ مسلمہ کے لئے سبق و نصیحت ہے کہ اس چیلنج کو قبول کریں اور اپنے اندر وہ صلاحیتیں پیدا کریں جو دنیا کی امامت و خلافت اور تمدنی ترقی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

اسرائیل کی ہوش ربا فوجی قوت عالمی امن کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے، اسرائیل کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار ہیں جن میں دو سو ایٹم بم بھی شامل ہیں، اسرائیل کی تیز رفتار فوج کی استعداد خطرناک حد تک ہے، وہ محض بہتر گھنٹوں میں سات لاکھ فوج ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے، عالمِ اسلام کے قلب میں ایسی خطرناک فوج عالمی امن کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے، جہاں کسی بھی وقت تیسری عالمی جنگ چھڑ جانے کے اسباب پورے طور پر موجود ہیں، مسلمان بھی آج نہیں تو کل ایک قوت بننے والے ہیں، یہ بات بعید نہیں کہ اسرائیل کی وجہ سے مسلمان بھی وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار حاصل کریں، اور قوت و طاقت کے اسباب سے لیس ہو جائیں،

مسلمان ہرگز اپنی ایک انچ زمین سے دستبردار ہونے والے نہیں ہیں اور ایسی ریاست کو اپنے قلب میں ہرگز قبول نہیں کریں گے جو مسلسل ان کو کمزور کرتا رہے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرتا رہے، مسلمان اسرائیل کو ویسے ہی ختم کریں گے جیسے اس سے پہلے استعمار کو عالمِ اسلام سے نکلنا پڑا، اس وقت عالمی طاقتوں کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اس ریاست کو قائم کرکے جو ظلم کیا ہے وہ انسانیت کے لئے موت اور تباہی کا سامان ہے، خطرناک بین الاقوامی جنگ سے بہتر یہی ہوگا کہ عالمی طاقتیں اپنا اثر و نفوذ استعمال کرکے صہیونی ریاست کو مسلم اراضی سے بے دخل کردیں۔

مدّمقابل کی قوت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ،اندرونی شکست کی علامت ہے، اسی لئے اسرائیلی فوج کے بارے میں یہ بات مشہور کردی گئی ہے کہ وہ ایک ناقابلِ شکست فوج ہے، حالانکہ تاریخی دلائل سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ سراسر غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈہ ہے،اردن میں ”معرکۂ کرامت“ میں اور لبنان میں اور دوسرے معرکوں میں اسرائیل کا شکستِ فاش سے دوچار ہونا ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔

تاریخ میں مذکور ہے کہ ایک مسلمان سپاہی نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے کہا جبکہ اس نے رومی فوج کو دیکھا: ”رومی کتنے زیادہ اور عرب کتنے کم ہیں! یہ سن کر حضرت خالدؓ نے فرمایا: نہیں ،بلکہ یہ کہو: عرب کتنے زیادہ اور رومی کتنے کم ہیں، قلّت و کثرت نصرت وہزیمت کی بنیاد پر ہوتی ہے“۔ اسی طرح کی سوچ نصرت ومدد میں معاون بنتی ہے جبکہ رعب اور خوف کی کیفیت ہزیمت وشکست کا سبب بنتی ہے۔

* * *

مسجد اقصیٰ کے بارے میں علمائے امت کی پکار

"میں کیوں کر ہنس سکتا ہوں جب کہ بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے میں ہے، مجھے اللہ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ مجھے مسکراتے ہوئے دیکھے جبکہ میرے مسلمان بھائی وہاں (فلسطین میں) محصور ہیں"[1]۔ **صلاح الدین ایوبیؒ**

"اس وقت ہمارے فلسطینی بھائی میدان جنگ میں بھوک پیاس برداشت کر رہے ہیں، کوشش اور جد وجہد کر رہے ہیں، اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر برسرپیکار ہیں اور مقدس ملک کی بازیابی کے لئے جیلوں میں قید کئے جا رہے ہیں، وہ ابھی تک سب سے بابرکت میدان میں بہترین کارنامے انجام دے رہے ہیں اور ایسی بہادری دکھا رہے ہیں جو ان کی طاقت سے بڑھ کر ہے، انہوں نے اللہ اور تاریخ کے سامنے اپنا عذر پیش کر دیا ہے، اگر یہ تحریک کمزور پڑ جائے تو تمام مسلمان اس کمزوری کے ذمہ دار ہوں گے، یہ ایسا جرم ہے جس کا اللہ سخت ترین مؤاخذہ کرے گا اور تاریخ اس کو اپنے سیاہ ترین صفحات میں ریکارڈ کرے گی، چنانچہ اس موقع کو غنیمت جانو، اور اپنے بھائیوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرو، اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور وہ تمہارے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا"[2]۔ **حسن البنا شہیدؒ**

"مسئلہ فلسطین ایک ڈرامہ تھا جس کو انگریزوں اور ان کے پٹھوؤں نے پہلے سے تیار کر رکھا تھا، اس کے کردار عرب، عرب بادشاہ اور حکومتیں تھیں، یہ ڈرامہ فلسطین کے اسٹیج پر کھیلا گیا اور عالم عربی اور عالم اسلام کی آنکھوں میں دھول ڈال کر برطانیہ اور صہیونی یہودیوں کے منصوبے کو پورا کیا گیا، یہ ایک سوچی سمجھی شاطرانہ اسکیم تھی، مسلمانوں کی اس ذلت و رسوائی

---

[1] صلاح الدين الأيوبي، از ڈاکٹر علی محمد صلابی

[2] تاريخ الاخوان المسلمين في فلسطين، ويكيبيديا الاخوان المسلمين

کے سلسلہ میں آزاد فلسطینی قوم سب سے زیادہ بے قصور ہے، اصلا فلسطین کا خون عرب حکومتوں اور ان کے قائدین اور عرب لیگ کی گردن پر ہے”[1]۔ **مولانا ابو الحسن علی ندویؒ**

“مسجد اقصیٰ محفوظ نہیں ہو سکتی جب تک بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے، اور خود بیت المقدس بھی محفوظ نہیں ہو سکتا جب تک فلسطین پر یہودی قابض ہیں، اصل مسئلہ فلسطین کو یہودیوں کے غاصبانہ تسلط سے آزاد کرانے کا ہے”[2]۔ **مولانا مودودیؒ**

“بے شک القدس صرف فلسطینیوں کا نہیں ہے اگرچہ وہ تمام لوگوں میں اس کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، اور نہ ہی وہ صرف عربوں کا ہے اگرچہ امت میں سب سے زیادہ ان پر اس کے دفاع کی ذمہ داری ہے، بلکہ اس پر ہر مسلمان کا حق ہے چاہے روئے زمین پر مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں وہ کہیں بھی رہتا ہو، وہ حاکم ہو یا محکوم، تعلیم یافتہ ہو یا امی، مالدار ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت، ہر ایک پر اس کی استطاعت اور قدرت کے بقدر ذمہ داری ہے۔

لہٰذا اے امت مسلمہ! اٹھ کھڑے ہو، نازک وقت آچکا ہے، خطرے کی گھنٹی بج چکی ہے، بیت المقدس پکار رہا ہے”[3]۔ **علامہ یوسف القرضاوی**

“آج مسئلہ فلسطین کے بارے میں ایشیاء کے تمام آزاد اسلامی ممالک کی حمیت و غیرت کا امتحان ہے خواہ وہ ممالک عرب ہیں یا غیر عرب، منصب خلافت کی تنسیخ کے بعد عالمِ اسلام کے لئے یہ پہلا بین الاقوامی مسئلہ ہے جس کی نوعیت بیک وقت مذہبی اور سیاسی ہے اور جس سے نبرد آزما ہونے کے لئے زمانے کی طاقتیں اور تاریخ کے تقاضے آزاد اسلامی ممالک کو پکار رہے ہیں”[4]۔ **علامہ اقبالؒ**

---

[1] کاروانِ زندگی ۱/۳۸۲

[2] سانحہ مسجد اقصیٰ، ص: ۲۰،۱۹، از: مولانا مودودیؒ

[3] القدس قضیۃ کل مسلم، ص: ۶ از: ڈاکٹر یوسف القرضاوی

[4] بحوالہ: اقبال کے آخری دو سال، از: عاشق حسین بٹالوی

”مسئلہ فلسطین ہر گز ختم نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ ہر مسلمان کے دل میں ایک عقیدہ کی حیثیت سے باقی ہے، کیا آپ نے کسی ایسے عقیدہ کے بارے میں سنا ہے یا پڑھا ہے جو ایک کروڑ دلوں میں محفوظ ہو، کیا وہ ختم ہو سکتا ہے؟ بے شک لوگ عقیدہ کے لئے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں لیکن انسان کے لئے کبھی کوئی عقیدہ قربان نہیں ہوا ہے“[1]۔ **شیخ علی طنطاویؒ**

”رسول اللہ ﷺ کے سفرِ اسراء کی جگہ، میرے ماں باپ تم پر قربان، اے اسیر مسجد، ہمارے دلوں میں تمہارا مقام کتنا بلند ہے! تمہاری حرمت و تقدس کتنا عظیم ہے، مجھے تمہارے اندر نماز ادا کرنے کا کتنا شوق ہے اس حال میں کہ تم آزاد ہو“[2]۔ **زینب الغزالیؒ**

”جب تک القدس کو خطرہ لاحق ہے ہم ہر گز چین کی نیند نہیں سو سکتے ہیں، جب تک مسجد اقصی کو خطرہ لاحق ہے ہم ہر گز چین کی نیند نہیں سو سکتے ہیں، وہ شخص کیسے سو سکتا ہے جس کو (آزادی فلسطین کی) عید سعید کا انتظار ہو، مضبوط حق اور پختہ وعدہ کے ہوتے ہوئے“[3]۔

شیخ رائد صلاح[4]

”ہم دنیا کے تمام مسلمانوں کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ القدس اور مسجد اقصی خطرے میں ہیں۔ اے اللہ! ہم نے پیغام پہنچا دیا ہے، گواہ رہنا“[5]۔ **شیخ حامد البیتاوی**[6]

* * *

---

[1] ًداء ه األقصى وهيالقدس8 ص:111

[2] ًداء ه األقصى وهيالقدس8 ص:115

[3] ًداء ه األقصى وهيالقدس8 ص:115

[4] فلسطین میں تحریک اسلامی کے قائد

[5] ًداء ه األقصى وهيالقدس8 ص:115

[6] مسجد اقصی کے سابق خطیب، علمائے فلسطین فورم کے سرپرست

آخری بات

عالمی سطح پر اس وقت امتِ مسلمہ جن حالات سے دوچار ہے وہ بہت حد تک انہی حالات کے مشابہ ہیں جو خلافتِ عثمانیہ کے آخری دور میں پائے جاتے تھے، جب کہ امت سخت انتشار اور انتہائی کمزوری کا شکار تھی اور ہر چہار جانب سے اعدائے اسلام سازشوں کا جال بُن رہے تھے، ایسے حالات میں امت کی مرکزی مسائل سے غفلت ،امت کو مزید ہلاکت و مغلوبیت کے انجام تک پہنچانے کے لئے مہمیز کا کام کرتی ہے، انہی مرکزی مسائل میں 'مسئلۂ فلسطین' بھی ہے، دنیا میں جہاں جس شکل میں جو فساد موجود ہے اس کا تانا بانا اسی مسئلہ سے جاملتا ہے، اس لئے کہ ہر فساد کے پسِ پردہ صہیونی دماغ کارفرما ہے جن کی شیطنت وخباثت سے دنیا کا کوئی شریف انسان محفوظ نہیں ہے، اپنی ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل کو جواز واستحکام بخشنے اور مظلوم فلسطینیوں کو ان کے جائز حق سے محروم کرنے کے لئے انہوں نے ہر طرح کے جتن کئے، عالمی طاقتوں کو یرغمال بنا کر جو کچھ کرنا چاہا کرلیا اور کر رہے ہیں، بیت المقدس کے تقدس کو پامال کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، فلسطین میں اپنا حق ثابت کرنے کے لئے تاریخ کو مسخ کیا، آثار وعلامتوں کو مٹا دیا، طاقت کا سفاکیت کے ساتھ استعمال کیا، ملکی، بین الاقوامی قوانین کو پامال کیا، اخلاقی وانسانی حدوں سے تجاوز کیا، اپنے مقصد کے حصول کے لئے دولت ووجاہت کا استعمال کیا، حالانکہ دلائل وشواہد یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ غاصب وظالم ہیں، ان کا فلسطین میں کوئی حق نہیں ہے اور ایک نہ ایک دن ان کو فلسطین کی مقدس سرزمین سے نکلنا ہوگا۔

سابقہ صفحات کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مسئلۂ فلسطین خالص اسلامی مسئلہ ہے اور فلسطین مسلمانوں کا تاریخی اور قانونی حق ہے جس سے دستبردار ہونا کسی مسلمان کے لئے ناممکن و محال ہے، اور اس وقت تک مزاحمت جاری رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے جب تک بیت المقدس اور ارض فلسطین کا کوئی بھی چپہ غیروں کے تسلط میں ہے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی اصل اور حقیقی تاریخ و ثقافت سے واقف ہوں، امت کے مسائل سے غافل نہ ہوں بلکہ اپنے اوپر عائد ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے انجام دینے کی کوشش کریں، اہلِ فلسطین کی ہر ممکن نصرت و مدد کریں، خطرناک ترین سامانِ حرب و ضرب سے لیس دشمن کے مقابلہ میں فلسطین کے جانباز جس ناقابلِ تصور جوانمردی اور صبر و ثبات کا ثبوت دے رہے ہیں، کم از کم ہم ان کے لئے فتح و نصرت اور استقامت کی دعا کریں، علمی و عملی میدانوں میں ان کی پشت پناہی کریں، ان کے ہاتھوں کو مضبوط کریں اور ہر اس شخص کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں جو صہیونی و امریکی طاغوت اکبر کے سامنے 'نا' کہنے کی جرأت کرے، ہم سب بحیثیت فرد، بحیثیت جماعت اور بحیثیت حکومت ذمہ دار اور جوابدہ ہیں، ان شاء اللہ فتح و نصرت اور کامیابی مسلمانوں کے قدم چومے گی، اسرائیل زوال کا شکار ہو کر رہے گا، بیت المقدس آزاد ہوگا اور فلسطین اور پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا {إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا، وَنَرَاهُ قَرِيبًا} [المعارج: 6، 7] "یہ لوگ اسے دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں"۔

* * *

اہم مراجع و مصادر

- ✓ فلسطین: دراسات منہجیۃ فی القضیۃ الفلسطینیۃ/ د. محسن صالح/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ القضیۃ الفلسطینیۃ. خلفیتہا و تطورہا حتی سنۃ 2001/ د. محسن صالح/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ القضیۃ الفلسطینیۃ.. حقائق وثوابت/ د. محسن صالح/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ الحقائق الأربعون فی القضیۃ الفلسطینیۃ/ د. محسن صالح/ ناشر: المرکز الفلسطینی للاعلام
- ✓ القدس قضیۃ کل مسلم/ ڈاکٹر یوسف القرضاوی/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ القدس، مقدسات لا تمحی وآثار تتحدی/ د. إحمد الصاوی/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ قضیۃ القدس، دراسۃ تاریخیۃ/ حسین امام محمد/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ جہادنا فی فلسطین/ د. مصطفیٰ السباعی/ دار الوراق، بیروت
- ✓ الخطر یہدد بیت المقدس/ د. إحمد صدقی الدجانی/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ انتفاضۃ الأقصی والاستقلال، تحدیات وآفاق/ د. عبد العلیم محمد/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ إرض الاسراء، دروس فی العزۃ والفداء/ ناصر الفضالۃ/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ الطریق إلی حطین والقدس/ د. إحمد صدقی الدجانی/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ الحرکۃ الاسلامیۃ فی قطاع غزۃ بین الدعوۃ والسیاسۃ/ عدنان إبو عامر/ ناشر: مرکز الاعلام العربی، الجیزۃ، مصر
- ✓ نداء من الأقصی ومدینۃ القدس/ ترتیب: لجنۃ فلسطین الخیریۃ/ زیر نگرانی: یوسف عبد الرحمٰن
- ✓ شہر قدس تہذیبی چیلنج کے نشانہ پر/ مصطفیٰ محمد الطحان/ ترجمہ: عبد الحمید اطہر ندوی/ ادارہ احیاء علم ودعوت، لکھنؤ

- ✓ ہزارۂ سوم کی قیامت صغری/ عبد العزیز مصطفیٰ کامل/ ترجمہ: مولانا سید سلمان حسینی ندوی/ ناشر: ابو الحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ، کٹولی، لکھنؤ
- ✓ یہودی خباثتیں/ عبد اللہ التل/ ترجمہ و تلخیص: مولانا سید سلمان حسینی ندوی
- ✓ سانحہ مسجد اقصی/ از: مولانا مودودیؒ/ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
- ✓ کاروان زندگی/ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی/ مجلس تحقیقات و نشریات، ندوۃ العلماء لکھنؤ
- ✓ قبلہ اولی کفار کے حصار میں/ ارسلان بن اختر/ ناشر: شعبہ تحقیق و تصنیف، مکتبہ ارسلان، اردو بازار کراچی
- ✓ تاریخ بیت المقدس/ ممتاز لیاقت/ ناشر: سنگ میل پبلیکیشنز، چوک اردو بازار، لاہور
- ✓ مرکز الزیتونۃ للدراسات والاستشارات/ www.alzaytouna.net
- ✓ اِخوان ویکی/ www.ikhwanwiki.com

* * *